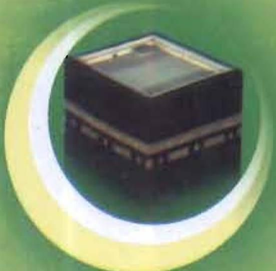
نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا



اسلام اور مسلمانوں کے خلاف
یورپی سازشیں

تصنیف
علامہ جلال العالم

ترجمہ وتفہیم
قاضی ابوسلمان محمد کفایت اللہ

اعداد وترتیب
محمد طاہر نقاش



دار الابلاغ
DARULIBLAGH

DARULIBLAGH

دار الابلاغ

کتاب وسنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ

نام کتاب .... اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپی سازشیں

تالیف .... علامہ جلال العالم

مترجم .... قاضی ابو سلمان محمد کفایت اللہ

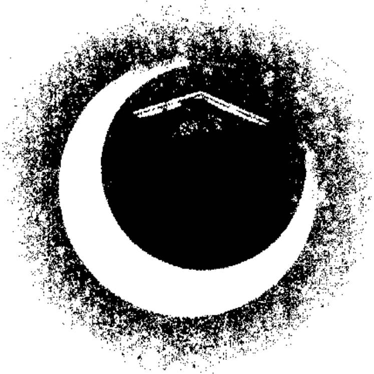
اعداد و ترتیب .... محمد طاہر نقاش

اشاعت اوّل .... مئی 2005ء

قیمت .... 68 روپے

تعداد .... ایک ہزار

دارُالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور پاکستان 0300 4453358



اسلام اور مسلمانوں کے خلاف
یورپی سازشیں

تصنیف
علامہ جلال العالم

ترجمہ و تفہیم
قاضی ابوسلمان محمد کفایت اللہ

اعداد و ترتیب
محمد طاہر نقاش

دار الابلاغ
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
لاهور، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المکتبۃ الرحمانیۃ

۹۹ - جے ماڈل ٹاؤن - لاہور

نمبر ....

فہرست مشمولات

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار

حرفِ تمنا

صلیبیوں کی منافقت اور اصل حقائق

آج کل ایسا دور ہے کہ ہم ہر طرف سے سازشوں کے بھنور میں گھر چکے ہیں۔ عالم اسلام یہودیوں کی مکروہ اور ہلاکت خیز سازشوں کا شکار ہو کر کراہ رہا ہے۔ فلسطین ہو، کشمیر ہو، بوسنیا ہو، چیچنیا ہو، اری ٹیریا ہو، فلپائن ہو، مصر ہو، شام ہو، عراق ہو یا ایران اور پاکستان ہر جگہ صلیبی خفیہ و اعلانیہ سازشوں کے تانے بانے بننے میں مصروف ہیں۔ ان کے زخموں سے عالم اسلام اس حد تک جاں بلب ہو چکا ہے کہ اب وہ اپنی آنکھوں کے سامنے ان کو سازشیں کرتے ہوئے دیکھتا بھی ہے لیکن آہ بھرنے کے لیے بھی لب نہیں کھول سکتا۔ خود ہی یہ ظالم صلیبی کسی علاقہ میں مسلمانوں کو تہہ تیغ کرتے ہیں اور پھر خود ہی مسیحا کے روپ میں مرہم لیے آتے ہیں اور آتے ہیں اپنے اصل مشن میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ مرہم کی جھلک صرف اس کو کرواتے ہیں جو صلیبیت کا طوق گلے میں پہن کر اسلام کو الوداع کہہ دے۔

مسلم حکومتیں صلیبی مشنریوں کی یہ مذموم کارروائیاں دیکھتی ہیں لیکن خاموش ہیں۔ یوں وہ ہمارے ملکوں میں من مانیاں کر رہے ہیں، جن حکومتوں کا یہ فریضہ تھا کہ وہ دوسرے ممالک میں اسلام کی اشاعت و ترویج کے لیے دعوتی مشن روانہ کرتیں اور ہر جگہ اسلام کا پیغام پہنچاتیں وہ آج اس کام کو جرم سمجھ کر اس کے ذکر سے بھی خائف ہیں۔ جبکہ صلیبی یہ کام ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے ملکوں میں رات دن کرنے میں مصروف ہیں۔ پاکستان کی سرحدی پٹیوں پر ایک بہت بڑی مقدار اسلام کو الوداع کہہ کر ان کی ہم پیالہ و ہم نوالہ بن چکی ہے۔ پاکستان اور عالم عرب ان کا خالص طور پر نشانہ ہیں۔ اس سب کے باوجود ظلم یہ ہے کہ وہ دنیا میں پروپیگنڈا یہ کرتے ہیں کہ ہم انسانیت اور مسلمانیت کے بہت زیادہ خیر خواہ اور بہی خواہ ہیں۔ ہم ان کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد جانتے ہیں۔ وہ عام

طور پر میڈیا پر یہ تاثر دینے کی کوشش بھی کرتے ہیں کہ ہماری تمام تر کارروائیاں اسلام اور مسلمانوں کے حق میں ان کے دفاع اور مضبوطی کے لیے ہیں .... لیکن .... ستم بالائے ستم .... حقیقت یہ ہے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ پروپیگنڈا اور منافقت ہے، تصویر کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ عالم کفر تو دن رات پریشان ہی اس فکر میں رہتا ہے اسے صرف ایک موقع ملے اور وہ پورے عالم اسلام کو ذہنی، فکری اور اقتصادی طور پر تباہ کر دے اور ان کو اپنا مفت کا غلام بنالے۔ اس مقصد کے لیے وہ ہر وقت مسلمانوں کے خلاف کہیں نہ کہیں کوئی نت نئی سازش کے تانے بانے بننے میں مصروف رہتا ہے۔ ماضی قریب میں ان سازشوں کی ایک جھلک ہی اس کتاب میں دکھائی گئی ہے تاکہ قارئین موجودہ حالات کے پس منظر میں عالم کفر کا اصل چہرہ اور عزائم ملاحظہ کر سکیں اور ملک و ملت کو ان کافروں کی ریشہ دوانیوں سے بچانے کے لیے مثبت پیش بندی اور لائحہ عمل مرتب کر سکیں۔

خادم کتاب وسنت

محمد طاہر نقاش

لاہور، 14 فروری، 2005ء

تقدیم

آج عالم اسلام میں اخلاق و ایمانیات، معیشت و معاشرت اور تہذیب و ثقافت کے میدانوں میں جو صورتِ احوال ہمیں نظر آتی ہے اور بالخصوص عالمِ عرب میں آج جو کربناک منظر ہمارے سامنے ہے اسے دیکھ کر ہر صاحبِ بصیرت اور دردمند مسلمان سراپا استفسار بنا نظر آتا ہے۔ ہر قلب مضطرب کے لبوں پر آج ایک ہی سوال ہے کہ یہ سب کچھ جو اسے دکھائی دے رہا ہے یہ کیا ہے، کیوں ہے؟......اس کے پسِ منظر میں کیا ہے؟......آیا یہ آگے چل کر کسی اور بھیانک و تکلیف دہ صورت احوال کا پیش خیمہ تو نہیں ہے؟......

ایک مسلمان اور پھر خادمِ قرآن ہونے کے ناطے سے میرے قلب حزین میں بھی یہی کیفیات اور اسی طرح کے سوالات وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے تھے، اور ان کے اسباب و علل کے حوالے سے کبھی ایک طرف ذہن جاتا تھا تو کبھی دوسری طرف، لیکن ان توجیہات و توضیحات کو پڑھ سن کر بھی قلب کو اطمینان اور روح کو تسکین و راحت حاصل نہ ہو پاتی تھی تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اس فقیر بے نوا کو اپنے تصرفِ خاص سے حرمین شریفین کی زیارت سے بہرہ ور فرمایا۔ مقامات مقدسہ کی اس زیارت سے بندہ کو جو روحانی فیوض و برکات حاصل ہوئے وہ تو کئی دفتروں کا موضوع ہیں لیکن ان روحانی و معنوی فوائد اور منافع کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا کرم یہ ہوا کہ مجھے مدینہ منورہ سے اس کتاب کا ایک نسخہ مل گیا۔ جس کا ترجمہ یا ترجمانی اس وقت آپ احباب کے ہاتھوں میں ہے، جیسے جیسے میں اس کتاب کو پڑھتا گیا عالم اسلام کا ایک ایک عقدہ وا ہوتا گیا اور عالمِ اسلام کی مشکلات و مسائل کے اصل اسباب و عوامل سے پردہ اٹھتا چلا گیا اور اس طرح واقعات و حوادث کو ان کے حقیقی خدوخال کے اندر دیکھنے اور پہچان لینے کی استعداد و صلاحیت نے میرے اندر انگڑائیاں لینا شروع کر دیں۔

اب میرے سامنے سوال یہ تھا کہ اس لاجواب کتاب کا ترجمہ کیا جائے۔ ترجمہ کر لینا ز کچھ مشکل نہ تھا کیونکہ بحمداللہ عربی زبان میرے لیے مادری زبان کی حیثیت اختیار کر چکی ہے لیکن اصل مسئلہ مناسب وسائل کی دستیابی اور ایک ایسی صورتِ احوال کا دباؤ تھا کہ جس میں مسلم امت کے قلوب واذہان ان حقائق کو قبول کرنے پر تیار ہوں۔ اس دوران کئی ایک داخلی خارجی حوادث بھی ظہور پذیر ہوتے رہے کہ جنہیں دیکھ کر زبان نے گفتار کی اجازت چاہی مگر اسے اذن نطق حاصل نہ ہوا، لیکن اس رمضان المبارک میں ۱۷ اور ۱۸ تاریخ کے مابین یوم الفرقان پر خطبہ جمعہ دینے کے دوران دل میں ایسا داعیہ پیدا ہوا کہ جس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا اور دل نے گواہی دے دی کہ اس کتاب کی طباعت و اشاعت کے لئے جس مناسب گھڑی کا انتظار تھا وہ قریب آن لگی ہے اور آئندہ جو کچھ وقوع پذیر ہوا جانا از حد ضروری ہے۔ اس داعیہ کو عملی شکل دینے کے لیے اس کی کتابت کا آغاز ہوا۔ وسائل کا چونکہ فقدان تھا اس لئے کتابت کا مرحلہ طویل سے طویل تر ہوتا گیا اور اللہ کر کے آج ۲۵ ردسمبر کو یہ اپنی تکمیل کو پہنچ رہا ہے، اور مجھے اس کے نتیجہ میں یہ تقدیم لکھنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

یاد رہے کہ اس کتاب کی اشاعت کا مقصد صرف یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے اندر دوست دشمن کی پہچان کا ملکہ پیدا ہو جائے اور بس...... باقی اس کا مقصد نہ تو کسی کو نیچا دکھانا ہے اور نہ ہی اپنے لئے نمود و نمائش حاصل کرنا ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے سے پتہ چلے گا کہ یورپ اور عالم اسلامی کے مابین پائی جانے والی کشمکش بہت پرانی ہے اور اس کی جڑیں نہایت گہری ہیں۔ لہٰذا اس کشمکش کو سرسری قرار دے کر اس کے مظاہر سے سطحی طور پر گزر جانا کافی مشکل ہے۔ لیکن تاہم اس کشمکش کو بھلانا بلکہ ایک حد تک اسے قصہ پارینہ بنا دینا یورپ کے لئے موجودہ صدی میں ممکن ہو سکتا تھا اور اگر یورپ چاہتا تو وہ محسن اور معلم بن کر عالم اسلام کو صحیح معنوں میں اپنا گرویدہ بنا سکتا تھا لیکن افسوس یورپ نے یہ نادر موقع ضائع کر دیا اور اس میں پائے جانے والے حرص و لالچ اور عداوت و عناد کے جذبات اس پر غالب آ گئے اور مفاد عاجلہ نے اسے اپنی مضبوط گرفت میں لے کر

دیرپا انسانی مقاصد سے اسے غافل کردیا اور اس طرح عالمِ اسلامی اور یورپ کے مابین صدیوں پر محیط عداوت وعناد کی آگ ٹھنڈی ہونے کی بجائے اس کے الاؤ میں کچھ مزید اضافہ ہوگیا۔خیال ہوتا تھا اور ایک حد تک یہ خیال نتیجہ تھا اس پراپیگنڈے کا جو صبح وشام یورپی ذرائع ابلاغ کرتے رہتے ہیں کہ یورپ نشاۃ ثانیہ کے بعد الحاد دہریت کو اختیار کر چکا ہے۔ وہ عیسائیت کو ترک کر کے انسانیت (Humanism) کو بطورِ مذہب اختیار کر چکا ہے۔عدمِ تعصب ورواداری اور خرد افروزی وحکمت آموزی کی اقدارِ حیات پر وہ ایمان کی حد تک یقین لاچکا ہے۔سائنس نے اسے سائنسی رویّے اپنانے کی عملی تربیت دی ہے اور دنیا جہان کی جاہل وپس ماندہ اقوام کو تہذیب وثقافت اور علم وہدایت سے بہرہ ور کرنا یورپ کا نصب العین بن چکا ہے۔بے شک اگر یورپ نے ان اقدارِ حیات کو ایمان تو کجا حکمت عملی کے تقاضوں کے تحت بھی اپنایا ہوتا تو آج عالمِ انسانیت کا نقشہ مختلف ہوتا اور عداوت وعناد کے جن مہیب دیوتاؤں کے نرغے میں آج عالم انسانیت جس بری طرح گرفتار ہے وہ کب کا اس سے رہائی حاصل کر چکا ہوتا۔افسوس ہے کہ یورپ آج بھی اپنی صلیبی ذہنیت کو ترک کرنا تو ایک طرف اسے کسی درجے میں نظر انداز بھی نہیں کر سکا۔

اگر عالم انسانیت کے مشرق ومغرب میں یہ عداوت وعناد اسی طرح قائم رہا۔اگر عالم اسلام اور مسیحی اقوام اسی طرح دست وگریباں رہیں، اگر متکبرین ومستضعفین کے مابین پائی جانے والی اس کشمکش کو نہ مٹایا جاسکا تو پھر عالمِ انسانیت کا انجام کار تباہ وبرباد ہوجانا اٹل ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ کشمکش کی ذمہ داری عالمی سطح پر کس پر عائد ہوتی ہے۔مشرق پر یا مغرب پر عالم اسلامی پر یا یورپ پر بات بڑی واضح ہے کہ آج مشرق مغرب کا محتاج بن چکا ہے اور عالم اسلام پر یورپ کا دست نگر بن چکا ہے لہذا اس عداوت وعناد کی فضا کو سائنسی برتری اور مادی وسائل کے تفوق وغلبہ کے باوجود بھی اس عظیم نصب العین کے حصول تو کجا اس کے احساس وشعور سے بھی عاری نظر آتا ہے۔یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے نتیجہ میں صنعتی انقلابات بھی پیدا ہوئے۔انقلاب فرانس کا بھی غلغلہ بلند ہوا۔جرمنی میں اصلاح کلیسا کی تحریک بھی برپا ہوئی اور آخر کار انقلاب روس بھی بادوباراں کی طرح عالمِ انسانیت کے افق پر ابھرا لیکن جلد

ہی دوبارہ اپنے اسلاف کے زمرہ میں جا شامل ہوا۔ سوال یہ ہے کہ پورا یورپ عالمِ انسانیت کو عالمی سطح پر ایک کنبہ بنا کر ایک عالم انسانیت، ایک اجتماعیت، ایک قانون اور ایک نظامِ حیات کی لڑی میں پرو کر عالم انسانیت میں شفقت و رحمت، اخوت و مساوات کی اقدارِ حیات کا کیوں نفاذ نہ کر سکا؟...... یہ یورپ کی اس ناکامی کا تجزیہ کرنا ضروری ہے کیونکہ اس تجزیہ و تحلیل میں انسانیت ہی کا بھلا نہیں بلکہ عالم اسلام کی خیر و سعادت کے بند دروازے کا دوبارہ کھلنا بھی بڑی حد تک اسی پر منحصر ہے۔

گذشتہ صفحات میں ہم نے یورپ کی جس ناکامی و نامرادی کی طرف بار بار اشارہ کیا ہے اس ناکامی کے اسباب و علل کا جاننا ہم مسلمانوں کے لئے امر واجب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقوام کے مابین عروج و زوال کے ادوار آتے رہتے ہیں۔ اسی طرح جس طرح معاشروں میں افراد اُبھرتے اور مٹتے رہتے ہیں۔ اسی طرح عالمِ انسانیت میں اقوام آتیں ، اپنا جلوہ دکھاتیں اور پھر پردۂ سکرین سے غائب ہوتی رہتی ہیں۔ اس لئے افراد اور اقوام کو عروج و اقتدار کے ایّام میں اندھا ہو کر انتقامی سیاست و طرزِ عمل کا رویّہ کبھی بھی اپنانا نہیں چاہیے۔ اور ماضی میں جو کچھ فریقین سے اونچ نیچ ہو چکی ہو اسے بالکل بھلا کر مستقبل پر نظریں جما کر ایک شاندار و پائیدار مستقبل کی تعمیر میں فاتح و مفتوح دونوں کو مشغول ہو جانا چاہیے۔ یاد رہے کہ اس مرحلہ پر بھولنے بھلانے کی اصل ذمہ داری فاتح کی ہوتی ہے نہ کہ مفتوح کی۔ فاتح اگر عفو و درگزر کا بالفعل طرزِ عمل اختیار کرے تو مفتوح کے دل و دماغ میں بھی آہستہ آہستہ فاتح کو قبول کر لینے کے جذبات بیدار ہونے لگتے ہیں اور اس طرح آہستہ آہستہ فاتح و مفتوح اقوام کے مابین اپنائیت کی فضا پیدا ہونے لگتی ہے۔

افسوس ہے کہ یورپ کی فاتح اقوام اسلامی مشرق کے جس خطہ پر بھی غالب آئیں انہوں نے عفو و درگزر کی بجائے انتقام اور صرف انتقام کی پالیسی کو اپنا نصب العین بنائے رکھا اور عداوت و عناد کے منفی جذبات نے انہیں اپنے مضبوط شکنجے میں جکڑے رکھا۔ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ یورپ نے ماضی میں عالمِ اسلام کے خلاف جو صلیبی جنگیں لڑی تھیں اور اس طرح ان جنگوں میں یورپ کی مذہبی پیشوائیت نے یورپی انسان کے قلب و نظر میں جنگجویانہ صلیبی

ذہنیت راسخ کردی تھی۔ نشاۃ ثانیہ (دورتنویر) کے باوجود یورپی انسان اس ذہنیت سے اپنا دامن آزاد نہ کرا سکا۔ لہٰذا وہ اس کے نتیجے میں احوال وظروف میں تبدیلی آجانے کے باوجود اپنے نفسیاتی مزاج اور ماحول میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کرسکا نتیجتاً بدلے ہوئے حالات میں بھی وہ وہی پرانی معاندانہ نفسیاتی سوچ میں گرفتار رہا۔ اس طرح وہ ماحول، معاملہ اور عالمِ انسانیت کو منفی صلیبی ذہنیت کے ساتھ دیکھنے اور اسی سلبی ذہنیت کے حوالے سے مسائل و معاملات کا حل تلاش کرنے میں مصروف رہا۔ اگر یورپ اپنے آپ کو صلیب کی منفی وسلبی ذہنیت سے آزاد کرالیتا تو حقیقت یہ ہے کہ آج روئے زمین کا نقشہ بالکل مختلف ہوتا اور اس طرح آج یہ زمین امن وامان اور سکون واطمینان سے اس حد تک مالا مال ہوچکی ہوتی کہ اس پر رہنے والا انسان اپنی انسانیت پر فخر کرسکتا تھا لیکن آج کا انسان بعض پہلوؤں میں حیوانوں سے بھی اسفل ترین ثابت ہوچکا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واقعی آج کا یورپ صلیبی ذہنیت میں مبتلا ہے؟...... اور کیا یہ حقیقت ہے کہ امریکہ جیسا آزادی وحریت کا دعوے دار ملک بھی صلیبی ذہنیت کے آہنی شکنجے میں گرفتار ہے؟...... آیئے!...... اس سوال کا جواب زیر تعارف کتاب کے صفحات پر تلاش کرنے کی کوشش کا آغاز کریں۔

بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے آزاد ہوگیا:

یہ دیکھئے!...... جنگ عظیم اول میں سلطنت عثمانیہ یورپ کے سامنے شکست کھا جاتی ہے۔ اس فتح وشکست کو یورپ کے ذمہ دار افراد نے کس طرح دیکھا۔ ان کے قلبی تاثرات کیا تھے اس ضمن میں ہمیں یورپ بالخصوص برطانیہ کے ایک ''عظیم'' انسان یعنی چرچل کے تاثرات ان الفاظ میں ملتے ہیں:

> بیت المقدس کو اسلام اور مسلمانوں کے غلبے سے رہائی دلانا ہم مسیحیوں اور یہودیوں دونوں ہی کا مشترکہ خواب یا نصب العین تھا لہٰذا اس کے رہا کرانے پر جو خوشی مسیحیوں کو حاصل ہوئی ہے وہ یہودیوں کی خوشی سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ بہرحال ہم سب کے لئے انتہائی طور پر خوشی کا باعث ہے کہ اب بیت

المقدس اسلام اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے رہا ہو چکا ہے۔①

اسی طرح جب برطانوی جرنیل مسٹر لبنی بیت المقدس میں بطورِ فاتح داخل ہوا تو اس نے اپنے دلی جذبات کی ترجمانی ان الفاظ میں کی تھی۔ ''آج صلیبی جنگوں کا خاتمہ ہوا ہے۔''②

پھر مسٹر لُبنی کی فتح کی خبر جب برطانیہ پہنچی تو اس پر برطانوی اخبارات نے اسے صلیبی جنگوں کا سب سے بڑا فاتح جرنیل قرار دیا اور پھر برطانوی پارلیمنٹ، برطانوی وزیر اعظم اور وزیر خارجہ مسٹر الائیڈ جارج، ان سب نے مسٹر لُبنی کے حملے کو صلیبی جنگوں کا آٹھواں حملہ قرار دیا اور اسے فتح حاصل کرنے پر بمعہ اس کی افواج اور رفقائے کار کے زبردست اور شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا اور اسے ''صلیبی جنگوں کے فاتح'' کے لقب سے نوازا گیا۔③

برطانیہ کی طرح فرانس نے بھی سلطنت عثمانیہ کے ساتھ اپنی جنگوں کو صلیبی جنگوں ہی کے مشابہ قرار دیا۔ اس امر کی شہادت اس وقت ملی جب فرانسیسی جرنیل غورو ملکِ شام کو فتح کر لینے کے بعد دمشق پہنچا اور ترکی افواج اس کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال چکیں تو وہ فوراً دمشق میں موجود اموی جامع مسجد میں پہنچا کیونکہ وہاں غازیِ اسلام سلطان صلاح الدین ایوبی کی قبر ہے۔ اس نے اس قبر پر لات مارتے ہوئے کہا: صلاح لدین اٹھ اور دیکھ!...... کہ ہم اپنی شکستوں کا بدلہ لے چکے ہیں اور تیری سرزمین پر بطورِ فاتح لوٹ آئے ہیں۔④

اسی طرح جب فرانس نے مراکش کے خلاف جنگ وجدال کا معرکہ برپا کر رکھا تھا تو اس پر بعض فرانسیسی ارکانِ پارلیمنٹ نے اس وقت کے فرانسیسی وزیر خارجہ سے ملاقات کی اور یہ مطالبہ کیا کہ ہم فرانسیسیوں کو مراکش کے خلاف اس طرح کی جنگی چھیڑ چھاڑ کو ترک کر دینا چاہیے۔ وفد کے اس مطالبے کا جواب دیتے ہوئے فرانسیسی وزیر خارجہ نے کہا:

''یہ معرکہ نہیں رکے گا کیونکہ یہ معرکہ فرانس اور مراکش کے مابین نہیں لڑا جا رہا بلکہ یہ ہلال اور صلیب کے مابین برپا شدہ معرکہ ہے جسے اس کے منطقی انجام پر

---

① مأساة مراكش ص: ۳۱۰
② القومية والغزو الفكرى ص: ۸٤
③ القومية والغزو الفكرى ص: ۸٤
④ القومية والغزو الفكرى ص: ۸٤

جا کر ہی ختم ہونا چاہیے۔''①

ہم اسرائیل سے کیسے بگاڑ سکتے ہیں، صرف ماضی ہی کے حوالے سے یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ دورِ حاضر میں امریکہ جو کہ اپنے تمام یورپی حلیفوں کا سربراہ بنا ہوا ہے اس کے ہاں بھی وہ تمام پالیسیاں جو وہ عالمِ اسلام کے بارے میں وضع کرتا ہے ان کی اساس و بنیاد بھی یہی ہوتی ہے کہ امریکہ اور عالمِ اسلام کے مابین صلیبی جنگیں تا حال جاری ہیں۔ اس حوالے سے امریکہ کے ایک سابق صدر کے ایک مشیرِ خاص کا یہ بیان بڑا توجہ طلب ہے۔

''ہمیں یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ ہمارے اور عرب اقوام کے مابین پائے جانے والے اختلافات مجرد دو مختلف ریاستوں یا مختلف قوموں کے مابین پائے جانے والے اختلافات نہیں ہیں بلکہ یہ اختلافات دراصل اسلامی اور مسیحی تہذیبوں اور ثقافتوں کے مابین پائے جانے والے اختلافات ہیں۔''②

آگے چل کر یہی مشیر رقم طراز ہے کہ:

''قریباً ڈیڑھ سو سال سے اسلام اگرچہ یورپی غلبے کے سامنے سرنگوں ہو چکا ہے اور اگرچہ اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی میراث بھی اس مدت میں مسیحی میراث و ثقافت کی بالا دستی کے سامنے اپنا سر جھکا چکی ہے لیکن اس کے باوجود یہ کشمکش ختم نہیں ہوئی۔''

آگے چل کر یہی شخص مزید وضاحت کرتے ہوئے یوں لکھتا ہے:

''آج کے تاریخی حالات بڑی وضاحت کے ساتھ اس امر کو نمایاں کر رہے ہیں کہ امریکہ مغربی دنیا کا ایک کامل اور مکمل حصہ ہے۔ یہ مغربی فلسفے، عقیدے اور نظامِ حیات غرضیکہ زندگی کے ہر پہلو میں مغرب کا کامل اور مکمل حصہ ہی نہیں بلکہ اس کا بہتر ترجمان اور نمائندہ بھی ہے لہٰذا امریکہ کی یہ پوزیشن اس کے لئے اس امر کو لازم قرار دیتی ہے کہ وہ اس اسلامی مشرقی دنیا (جو کہ اسلام کے فکر و فلسفہ اور عقیدہ و نظام کی نمائندہ ہے) کے بارے میں معاندانہ نقطہ نظر اور مؤقف اختیار

① مأساة مراكش ص: ٣١٠ ② معركة المصير صفحات: ٨٧ تا ٩٤

کیے رکھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ امریکہ اسلام کے حوالے سے معاندانہ مؤقف کے ماسوا کوئی دوسرا مؤقف اختیار کر ہی نہیں سکتا اور اس کے لئے یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ وہ مغربی دنیا اور صیہونی ریاست (اسرائیل) کے بارے میں غیر دوستانہ رویہ اختیار کرے، کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں اسے اپنی زبان، اپنے فلسفے، اپنی ثقافت، اپنی فکری بنیادوں اور اپنے اداروں سب کی نفی کرنی پڑے گی۔"(۱)

مسلمانوں پر اس طرح غلبہ حاصل کریں:

جب ہم یورپ کے ان ممالک کی ان پالیسیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یورپ اپنی قدیم روش سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹا بلکہ اس نے زمانہ قدیم سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو پالیسی بڑی گہری سوچ اور منظم حکمت عملی کے نتیجے میں اختیار کی تھی آج بھی وہ اسی حکمتِ عملی پر بڑی مستقل مزاجی اور ثابت قدمی سے رواں دواں ہے۔

زیر تعارف کتاب میں یورپ کی قدیم ترین حکمت عملی کا حوالہ اس طرح ملتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ مشترکہ حکمت عملی جس لائحہ عمل پر تیار کی گئی تھی اس کا مسودہ آج تک فرانس میں پیرس کے دارالوثائق القومیۃ میں محفوظ چلا آ رہا ہے۔ اس مسودہ میں جس امر کو بطور ایک اصول کے تسلیم کر لیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو جنگوں کے ذریعے شکست دے کر مفتوح و مغلوب بنانا تقریباً ناممکن ہے۔ اس لئے ان پر فتح اور غلبہ حاصل کرنے کے لئے درج ذیل طریق کار کو اختیار کیا جانا چاہیے:

(۱) مسلمان قائدین اور حکمرانوں کے مابین اختلاف و تفرقہ پیدا کرنا اور جب اس طرح اختلاف و تفرقہ پیدا ہو جائے تو اسے مزید وسیع اور گہرا کرنا اور پھر مسلمانوں کو کمزور تر کرنے کے لئے ان کے ان باہمی اختلافات اور تنازعات سے پورا پورا فائدہ اٹھانا۔

(۲) عالم عرب اور دوسرے مسلمان ممالک کے اندر نیک اور صالح قیادتوں یا نیک اور صالح حکمرانوں کے قیام کو ہر ممکن طریقے سے ناممکن العمل بنانے کے لئے ہر حیلیا حربے کو

---

(۱) معرکة المصير ص: ۸۷ تا ۹٤

بروئے کار لانا۔

③ مسلمان ممالک میں قائم شدہ حکومتی نظاموں کو رشوت، تخریب کاری اور عورتوں کے ذریعے خراب اور تباہ و برباد کرتے چلے جانا تاکہ اس طرح ان کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے انجام کار انہیں زمین بوس کیا جا سکے۔

④ مسلمان ممالک کے اندر ایسی افواج کو معدوم اور ناپید کرنے کے لئے ہر طرح کے حیلوں اور تدبیروں کو بروئے کار لانا جو کہ ملک و ملت کے حوالے سے امانت، صداقت اور اخلاص و وفا سے مالا مال ہوں جو اسلامی اصولوں کی سربلندی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے اور اس طرح شہید ہو جانے کو اپنے لئے سعادت دارین خیال کرتی ہوں جو جہاد فی سبیل اللہ کو اسلامی فریضہ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کے حصول کو مومن سپاہی کا سب سے بڑا نصب العین مانتی ہوں۔

⑤ عرب ممالک میں اختلاف و تفرقہ پیدا کرنے پر سب سے زیادہ توجہ مبذول کرنا اور جب ایک دفعہ یہ اختلاف و تفرقہ پیدا ہو جائے تو اسے گہرا کرتے چلے جانا اور کسی وقت اور کسی قیمت پر بھی عربوں کے اندر وحدت و اتحاد پیدا نہ ہونے دینا۔

⑥ عرب ممالک کے قرب و جوار میں ایک ایسی یورپی یا یورپ کی حلیف یا وفادار ریاست قائم کرنا جو جنوب میں غزہ کی پٹی تک پھیلی ہوئی ہو۔ پھر اس ریاست کو اتنا مضبوط و مستحکم کرنا کہ یہ اپنے مشرق و مغرب کی جانب پھیلنے اور وسعت پذیر ہونے کے اپنے اندر زیادہ سے زیادہ امکانات رکھتی ہو۔ ①

عربوں کو کبھی بھی متحد نہ ہونے دو:

اب اس قدیم مسودے کے ساتھ ساتھ ایک ایسی کانفرنس کی قرار دادیں ہمارے سامنے آتی ہیں جو ۱۹۰۷ء میں منعقد ہوئی اور جس میں یورپی ممالک کے وزرائے خارجہ اور چوٹی کے ارباب فکر و دانش نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کے افتتاحی اجلاس سے برطانیہ کے وزیر خارجہ نے خطاب کیا۔ اس کے اس خطاب کا خلاصہ ہمیں اس کتاب میں ان الفاظ میں

① آخر ساعة شهادة ٢١٠٦، ٥/ مارچ ١٩٧٥ء

ملتا ہے:

بے شک یورپی تہذیب وثقافت اور فکر وفلسفہ کو زوال وفناء اور اختلال انگیزی کے عوامل وعناصر کا خطرہ درپیش ہے لہٰذا ہماری اہم ترین ڈیوٹی جس کی بہتر ادائیگی اور اس ادائیگی سے متعلق اسالیب ووسائل پر غور وخوض کرنے کے لئے ہم سب یہاں اکٹھے ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم اپنی اس تہذیب وثقافت کو زوال وفناء کے درپیش خطرہ سے کس طرح بچا سکتے ہیں۔ ①

یہ کانفرنس ایک ماہ تک جاری رہی اور اس کی تمام بحثوں کو جس ایک نقطے میں سمو دیا گیا وہ یہ تھا کہ:

''یورپی یا مغربی تہذیب وثقافت کے لئے سب سے بڑا خطرہ صرف اور صرف مسلمان ہیں۔'' ②

اس خطرے کا سدِّ باب کرنے کے لئے جو قرارداد پاس کی گئی وہ یہ تھی:

''ایک ایسا پروگرام یا منصوبہ وضع کیا جانا چاہئے اور اس میں ہم سب کی عملی وفکری کوششوں کو کھپا دینا چاہیے۔ وہ منصوبہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ مشرقِ وسطیٰ کی مسلمان ریاستوں یا علاقوں کو کبھی بھی ایک مرکز پر متفق یا متحد نہیں ہونے دینا چاہیے۔ کیونکہ اس طرح کا متحدہ مشرق وسطیٰ یورپ کے لئے بمعہ اس کی تہذیب وثقافت کے ایک مستقل خطرہ بنا رہے گا۔''

اس کانفرنس کے شرکاء نے اس ضمن میں جو آخری قرارداد پاس کی وہ اس طرح تھی کہ:

''ایک ایسی ریاست جو کہ عرب اور مسلمانوں کی ہر حوالے سے ازلی وابدی دشمن ہو اور جو مغرب کی صحیح معنی میں وفادار اور پروردہ ہو اسے نہر سویز کے مشرق میں قائم کیا جانا چاہیے تاکہ اس طرح عربوں کو ہمیشہ ہمیش کے لئے متفرق وپراگندہ رکھا جا سکے۔'' ③

اسی قرارداد کے نتیجے میں عالمی صیہونیت کے ساتھ تعاونِ اور تحالفِ باہمی کے ایک

---

① المؤامرة و معركة المصير ص: ۲۵
② المؤامرة والمعركة المصير ص ۲۵
③ المؤامرة ومعركة المصير ص: ۲۵

معاہدے پر دستخط کئے گئے اور اسی کے نتیجے میں آخر کار فلسطین کے عربوں کو وہاں سے جلاوطن کر کے، وہاں پر یہودی ریاست قائم کی گئی جو آج پورے بلادِ عربیہ اور بلادِ اسلامیہ کے لئے وبال جان بنی ہوئی ہے۔

کمال اتاترک بھی شکنجہ صلیب میں پھنس کر ان کا آلہ کار بن گیا:

ان اقتباسات پر جس قدر بھی غور وخوض کیا جائے کم ہے۔ کیونکہ ان جیسے اقتباسات کو پڑھنے سے ہمیں اغیار کی علمی وعملی سکیموں اور حکمت عملیوں کا براہِ راست علم حاصل ہوتا ہے اور ہمارے خوابیدہ جذبۂ ایمانی کے اندر حرکت وحرارت کے احساسات کی بیداری اور آبیاری کا سازوسامان حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اس سے قبل کہ ہم علاج وتدارک کے موضوع ومبحث کا آغاز کریں ابھی چند ایک اور اقتباسات کی طرف اپنے معزز قارئین کی توجہ مبذول کرانا ضروری ہے۔ ان اقتباسات میں سے ایک اقتباس تو سلطنت عثمانیہ کے خاتمے اور اتحادی فوجوں کے ترکیہ سے انخلاء سے متعلق ہے۔ اتحادی فوجوں نے جب ترکیہ کو خالی کر دیا تو اس پر برطانیہ میں بڑا طوفان اٹھا اور ترکیہ کی اس طرح کی آزادی واستقلال کو برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ گردانا گیا، اور اس طرح برطانوی حکومتِ وقت پر زبردست تنقید کی جانے لگی، جس نے لوزان کانفرنس کے اجلاسوں میں کمال اتاترک کی حکومت کے ساتھ مذاکرات کر کے نہ صرف اسے تسلیم کر لیا تھا بلکہ اس کے علاقوں کو آزاد کر کے وہاں سے اتحادی فوجوں کو واپس بلا لیا تھا۔ یہ مخالفت بالکل ناروا اور خلاف واقعہ تھی کیونکہ برطانیہ نے جو شرائط کمال اتاترک سے منوائی تھیں ان میں اس کا غلبہ اور ترکوں اور مسلمانوں کی مغلوبیت اظہر من الشمس تھی۔ ذرا ان شرائط پر غور فرمائیں:

1. ترکیہ پر واجب ہوگا کہ وہ اپنی موجودہ خلافت کو ختم اور خلیفہ کو جلاوطن کر دے اور خلیفہ کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کو بالکلیہ ضبط کر لے۔
2. ترکیہ پر واجب ہوگا کہ وہ ہر اس تحریک یا جدوجہد کو بزورِ شمشیر ختم کر دے جو خلافت کو بحال یا اس کے ازسرِ نو قیام کے حوالے سے برپا کی جائے۔

④ ترکیہ پر واجب ہوگا کہ وہ اسلام سے اپنے ہر طرح کے تعلقات کو منقطع کر لے اور یہ کہ وہ عربی زبان اور عربی اسلام کو اپنے ہاں سے بالکل دیس نکالا دے دے۔

⑤ ترکیہ پر واجب ہوگا کہ وہ اسلام کی اساس پر تیار شدہ آئین یا دستور کو منسوخ کر دے۔ اس کے برعکس وہ اپنے ہاں ایسا دستور و آئین نافذ کرے جو یورپی ممالک کے دستوروں اور آئینوں کو نمونوں پر غیر شرعی اسلوب و انداز میں تیار کیا گیا ہو۔

ان شرائط کو پڑھ کر کوئی کند ذہن سے کند ذہن انسان بھی یہ باور نہیں کر سکتا کہ ان شرائط میں یورپی تحادیوں کی مغلوبیت اور ترکوں یا مسلمانوں کے ادنیٰ ترین غلبے کا بھی کوئی نشان پایا جاتا ہے۔ لیکن یورپی اربابِ حکومت اور رجالِ سیاست چونکہ دین و مذہب کی جگہ وطنیّت و قومیت پر ایمان لا چکے ہیں لہٰذا وہ کسی ادنیٰ یا خفیف ترین امکانی نقصان یا خطرہ کو بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اس لئے برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان اختلاف اور ارکان اقتدار نے مشترکہ طور پر شور و غل برپا کر دیا۔ بہر حال اس شور و غل کا جواب دیتے ہوئے اس وقت کے برطانوی وزیر خارجہ لارڈ کرزن نے جو جواب دیا وہ یہ تھا:

> ''ہم نے مسلم ترکیہ کو اب ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے۔ آج کے بعد ہم نے مسلم ترکیہ کی کوئی ایک ٹانگ بھی صحیح و سالم نہیں رہنے دی، کہ جس کی قوت و طاقت کی اساس پر وہ اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھ سکتی۔ مسلم ترکیہ کی قوت و طاقت اور شان و شوکت کا راز دو چیزوں میں پوشیدہ تھا اور ہم نے ان دونوں چیزوں کو ختم کر دیا ہے یہ چیزیں تھیں اسلام اور خلافت۔''[1]

الوداع اے اسلام الوداع:

اب اس اقتباس کو پڑھ کر ہمیں عالمِ اسلام کی ان ریاستوں کے بارے میں مزید چھان بین کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی جنہیں یورپی سامراج نے بالواسطہ یا بلاواسطہ از خود آزادی و خود مختاری دے کر عالم اسلام میں کھڑا کیا ہے۔ آزادی کا یہ پروانہ جب ان حکمرانوں کو عطاء کیا گیا ہوگا تو وہ کن شرائطِ سے مشروط ہوگا۔ ان کو جاننے کے لئے ہمیں کوئی

① كيف هُدِمت الخلافة ص: ١٩٠

تجسس نہیں ہونا چاہیے۔ یہ سب کچھ ترکیہ کے ساتھ یورپ کی شرائط صلح سے ازخود عیاں ہے۔ ہم نے جو نتیجہ نکالا ہے اس کی تقویت کے لئے مزید داخلی شہادت کے لئے یہ امر کفایت کرتا ہے کہ ان ریاستوں کی آزادی واستقلال پر نصف یا ربع صدی کی مدت گزر چکی ہے لیکن اس طویل مدت حکمرانی کے باوجود ان ریاستوں کا حال یہ ہے کہ:

① نہ تو دستور و آئین ابھی تک کلیتاً خالص اسلامی آئین بن سکا ہے۔

② نہ ہی ان کا نظام حکمرانی، نظامِ سیاست، نظامِ معیشت و معاشرت، نظامِ تعلیم و تربیت، نظام تہذیب وثقافت ہی اسلامی بنیادوں پر تشکیل پذیر ہو سکے ہیں۔

③ یہ تمام مسلم ریاستیں کافرانہ معیشت و معاشرت کے عالمی اداروں کی محتاج اور انہیں سے وابستہ اور ان کے سودی قرضوں کے چنگل میں اس بری طرح گرفتار ہیں کہ ان کی رعیت دوہری سیاسی و معاشی غلامی و استبداد میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ہر طرح کے شرفِ انسانیت سے محروم ہوکر حیوانیت کی ادنیٰ ترین سطح پر زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔

④ ان ریاستوں کی غالب تعداد کے اندر یورپی سامراج سے درآمد شدہ نظامِ تعلیم و تربیت نافذ ہے۔ اسی کے نمونے پر ابلاغ عامہ کے ذرائع (ریڈیو، ٹیلی ویژن، وی سی آر، فلم انڈسٹری اور اخبارات) دن رات مصروفِ تگ و تاز ہیں۔ اس کے نتیجہ میں عوام سے لے کر خواص تک اور جہلاء سے لے کر علماء تک حتیٰ کہ پوری کی پوری نوجوان نسل (اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ) الحاد و دہریت، دین بیزاری اور اباحیت کے شکنجوں میں جکڑی جا چکی ہے۔ اخلاقی اقدار دم توڑ چکی ہیں، مفاد پرستی، ہوس زر، ہوس اقتدار، حرص و لالچ، ملت دشمنی و اغیار نوازی اسلام دشمنی اور الحاد و دہریت کی سرپرستی کا رجحان ہی نہیں بلکہ ہر چیز یں وباءِ عام کی طرح ان ریاستوں پر مسلط ہو چکی ہیں۔

⑤ ہم سب کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ دینی حماس اور مذہبی غیرت وحمیت جو کل تک مسلمانوں کے قلوب و اذہان میں موجود تھی اب اس کا جنازہ نکل چکا ہے۔ یورپی سامراج کے مسلط کردہ کافرانہ نظام معیشت واقتصادیات کی وجہ سے ہر چیز بکاؤ مال اور خرید و فروخت کی چیز بن چکی ہے۔ مقدس سے مقدس روایات و ادارے کافرانہ و

ظالمانہ معیشت و معاشرت کے ہاتھوں ہر تقدس سے محروم ہو کر اس نظامِ ظلم کے ساتھ یا تو سازگاری کر چکے ہیں یا دم توڑ رہے ہیں اور تو اور دودھ کہ جس میں پانی ملانے کو کل تک پاپ یا گناہ سمجھا جاتا تھا اب پانی میں دودھ کا رنگ پیدا کر کے اسے دودھ کے نام پر اس قدر بالا نرخوں پر بیچا جا رہا ہے کہ متوسط طبقات کی اولاد اس سے بالکلیہ محروم ہو چکی ہے۔

۶ ان نام نہاد آزاد مسلمان ریاستوں کے اندر فرعون کا نظامِ ظلم و طاغوت مسلط ہے۔ مذہبی پیشوائیت پارلیمانی جمہوریت کی پرستار بن جانے کی وجہ سے اس طاغوتی نظام میں اپنا مقام اور بھرم پیدا کرنے کے لئے دین کو داؤ پر لگانے میں بلا کسی شرم و حیاء کے مصروف ہے۔ وڈیرہ شاہی کا غلبہ ہے۔ جاگیردار، سرمایہ دار، صنعت کار کی اصل حکمرانی ہے اور اجارہ داریت کے حامی طبقات یورپی سامراج کے پٹھو اور دلال ہیں۔ انتخاب کا ڈھونگ رچایا جائے یا آمریت مسلّط ہو۔ دونوں صورتوں میں صرف چہرے تبدیل ہوتے ہیں۔ نظامِ ظلم و طاغوت میں کوئی ادنیٰ ترین تبدیلی وقوع پذیر نہیں ہوتی۔ پارٹیوں پر پارٹیاں بنتی اور بگڑتی ہیں لیکن حکومت و اقتدار کے اساسی و بنیادی نقشوں میں کوئی ادنیٰ ترین تغیر وقوع پذیر نہیں ہوتا۔

۷ صحت، تعلیم، ملازمت، خوراک و لباس غرضیکہ ہر شعبہ زندگی میں طبقاتی فکر و فلسفہ کا تسلط ہے۔ اس حوالے سے كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا کا نظارہ ہر طرف جلوہ کناں ہے۔

۸ اس نام نہاد آزادی کے بعد الحاد و دہریت کو جو فروغ حاصل ہوا ہے اور جس طرح یونیورسٹیوں اور کالجوں سے الحاد و دہریت اور دین بیزاری کے رجحانات کی حامل افواج آج تعلیم و تربیت سے مسلح ہو کر مسلمان سماج اور معاشرے پر یلغار کر رہی ہیں۔ ان کی نظیر سابقہ دورِ غلامی میں کہیں نہیں ملتی۔ اس دورِ غلامی میں ہمارے ہاں علامہ اقبالؒ، مولانا محمد علی جوہر، مولانا عبیداللہ سندھی اور محمد علی جناح ؒ اور ان جیسے سینکڑوں مفکرین و قائدین پیدا ہوئے۔ لیکن اس نام نہاد آزادی کے بعد ان بزرگوں کی قد و قامت کے بزرگ تو کجا ان کے افکار و تعلیمات کا کوئی شارح بھی پیدا نہیں ہوا۔

خیر شارح تو کہاں پیدا ہوتا اب تو ان بزرگوں کے افکار کا فہم و بصیرت رکھنے والے افراد بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتے۔

⑨ لیکن اس گفتگو کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے ہمیں آزادی نہیں ملنا چاہیے تھی۔ (نعوذ باللہ من ذالک) ہمارا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے بلکہ ہم جو بات کہنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ ہمیں جو آزادی ملی ہے یہ ہمارے طریقِ کار اور ہماری شرائط کے مطابق ہمیں حاصل نہیں ہوئی لہٰذا اس نام نہاد آزادی کو ہم نے صحیح معنی میں آزادی بنانا ہے تاکہ اس طرح مسلمان آزاد اور اسلام محبوس والا جو مقولہ ہے اس کی تغلیط ہو سکے اور سجدہ کی آزادی کے ساتھ اسلام کی من کل الوجوہ آزادی بھی ایک امر محسوس اور حقیقت ثابتہ کے طور پر محقق ہو سکے۔

⑩ آج عالمِ اسلام کی ان نو آزاد ریاستوں میں یورپی سامراج کو جتنی بھی کامیابیاں حاصل ہوئیں ہیں یہ سب کی سب ایک مربوط نظامِ فکر و عمل کا حصہ اور نتیجہ ہیں۔ معیشت و معاشرت کے دائرے میں کافرانہ نظام سرمایہ داریت کے عروج و نفاذ سے اسے سب سے بڑی حمایت و امداد حاصل ہو رہی ہے۔ ابلاغ عامہ کے ذرائع پر سامراج کا تسلط وہ ماحول پیدا کرتا ہے جس کے نتیجہ میں الحاد و دہریت اور دین سے بیزاری اور مذہب سے علیحدگی کے جراثیم و وائرس جنم لیتے ہیں۔ یہ امراض اور وائرس مسلم اُمت کے قلوب و اذہان تک رسائی پاتے ہیں اور پھر ان کے نظامِ تنفس سے لے کر نظامِ ہضم و مدافعت کو بگاڑ کر انہیں بالکلیہ مریض و مفلوج بنا رہے ہیں۔

⑪ پھر وہ چیز جو ان تمام اسباب و عوامل الحاد و دہریت کی تقویت و تائید کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے وہ ان نام نہاد آزاد ریاستوں کا نظام تعلیم ہے، ان ممالک میں ابھی تک:

❀ مادری زبان ذریعۂ تعلیم نہیں بن سکی بلکہ اس کی جگہ اجنبی زبان ذریعہ تعلیم ہے۔ اس کو سیکھنے سکھانے پر بے پناہ سرمایہ، وقت اور توجہ خرچ کی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود اس اجنبی زبان کا صحیح سلیقہ پیدا نہیں ہو رہا اور ان کی مادری زبان دن بدن کمزور و پامال ہو

رہی ہے۔نوجوان نسل اور معاشرہ میں اپنائیت اور یگانگت نہیں ہو پا رہی، اغیار کے فکر و فلسفہ اور زبان و بیان کے غلبہ وتفوّق ان کا اثر ونفوذ قلوب واذہان میں راسخ ہو رہا ہے۔

❀ تعلیم کے میدان میں طبقہ واریت کا زہر اس حد تک سرایت کر چکا ہے کہ اس نے ملّی وحدت تو کُجا ریاستوں کے اندر قومی وحدت کے شیرازہ کو بھی مفلوج اور پارہ پارہ کر دیا ہے۔نصابِ تعلیم میں یکسانیت و ہمواریت کا فقدان ہے، اور یورپی سامراج کے ہاں قائم شدہ یونیورسٹیوں کے نصاب ہائے تعلیم کو اندھا دھند طریقے سے اپنے ہاں رائج کیا جا رہا ہے۔ وہاں ہی سے اعلیٰ تعلیمی ذہن، افکار و افراد درآمد کیے جاتے ہیں۔ وہاں ہی اپنے ذہین اور محنتی افراد کو تعلیم و تربیت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ان تعلیمی اداروں کی ثنویت بلکہ تربیع اور تثلیث نے ہمیں جس صورت احوال سے دوچار کیا ہے اس کی طرف اس کتاب میں اتنے زبردست اشارات ہیں کہ ان سب کی طرف توجہ دلانا تو ایک نئی کتاب تحریر کرنے کے مترادف ہوگا۔لہٰذا ان میں سے چند ایک کی طرف اشارہ کرنے پر ہم اکتفا کریں گے لیکن اس سے قبل کہ ہم یہ اشارات کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نکتہ پر بحث کریں کہ یہ یورپی سامراج عالمِ اسلام میں مسیحی تعلیمی اداروں کی ترویج سے کہیں زیادہ سیکولر طرز پر چلائے جانے والے تعلیمی اداروں کی سرپرستی وحمایت اتنی زیادہ کیوں کرتا ہے؟......انہیں کیوں مالی وسائل مہیا کرتا ہے؟......ان کے اساتذہ کو اپنے ہاں تعلیمی وظائف پر کیوں بلاتا ہے؟......اس سوال کا جواب ہمیں اس گراں قدر کتاب کے صفحہ ۴۸ پر سمویئل زویمر کے ان الفاظ میں ملتا ہے کہ:

”چونکہ مسلمانوں کو مسیحی مدارس اور اداروں سے نفرت ہے اس لیے ان ممالک کے اندر ایسے لادینی مدارس کا قیام ہمارے لیے واجب ہے کہ جہاں پر مسلمان خوشی خوشی اپنے بچوں کو داخل کرا سکیں۔ہمیں اس حوالے سے ان لادینی مدارس کے قیام واہتمام کے لیے ہر ممکن سہولت بہم پہنچانی چاہئے۔ یہ مدارس ہمارے لیے انتہائی مفید اور ہمارے مقاصد کے لیے بڑے مددگار ثابت ہوں گے کیونکہ ان مدارس کے توسّط سے ہم ان مسلمان طلباء کے اندر سے اسلامی شخصیت اور

اسلامی تہذیب و ثقافت کی روح کو بالکلیہ ختم کرنے میں بڑے مؤثر طریقے پر کامیاب ہو سکتے ہیں۔"①

معزز قارئین!......اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یورپی سامراج سیکولر تعلیمی اداروں کا جال ہمارے ملک میں کیوں پھیلا رہا ہے اور وہ دن بدن اسے کیوں وسعت و فروغ دینے میں مصروف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کو مسیحی اداروں سے نفرت ہے لہٰذا وہ انہیں پہلے مرحلے میں ایسے اداروں میں اپنے بچوں کو شوق اور خوشی سے داخل نہیں کریں گے لہٰذا ابتداءِ کار کے طور پر سیکولر طرز کے تعلیمی ادارے ہی ان کے لیے زیادہ سازگار اور سودمند ثابت ہوں گے۔

یورپی طرز کے سکول بنا کر تعلیم دو اور قرآن دل و دماغ سے نکال دو:

اب رہا یہ سوال کہ ان اداروں کا تعلیمی نصاب اور اساتذہ کا معیار اور نصب العین کیا ہو؟......اور اس نصب العین کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے؟......تو اس کا جواب اسی گرانقدر کتاب کے صفحہ ۴۷ا پر ہمیں اس طرح ملتا ہے:

"ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم بلادِ اسلامیہ کے اندر ایسے یورپین طرز اور نمونے کے تعلیمی اداروں کا جال بچھا دیں جو کہ لادینی نظامِ تعلیم کے اصول پر قائم ہوں۔ ان مدارس کی تعلیمی منصوبہ بندی کا جلد ہی یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ ہمارے ان اداروں سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے والی نوجوان مسلمان نسل کی کم از کم نوے فی صد تعداد اسلام اور قرآن کے بارے میں اپنے یقین اور اعتماد سے بالکل تہی دامن ہو جائے گی۔ خاص طور پر جب یہ نسل ہمارے ان مدارس میں یورپی طرز اور نمونے کے مطابق تیار کردہ نصاب ہائے تعلیم کے نتیجہ میں پروان چڑھے گی۔ جب یہ ہماری زبانیں اور ہمارے فلسفے، ہمارے دوسرے افکار و تصورات کو ہمارے ہی اساتذہ سے پڑھے گی تو پھر یہ نوجوان نسل نہ صرف اپنے اسلامی فکر و فلسفہ سے برگشتہ ہو جائے گی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ ہمارے لادینی افکار و

① الغارة على العالم الاسلامی ص: ۸۲

تصورات کی دل و جان سے گرویدہ بھی ہو جائے گی۔'' [ص: ۱٤۸]

گویا یہ یورپین سکول اور کالج اور تعلیمی ادارے، یہ نرسریاں اور کنڈر گارٹن جیسے ناموں سے موسوم تعلیم گاہیں دراصل الحاد و دہریت اور ارتداد کی عملی تربیت گاہ ہیں۔ ہماری مذہبی پیشوائیت کس قدر سادہ لوح اور ہمارے سیاسی قائدین کس قدر فریب خوردہ اور ہمارے عوام الناس کی سوچ کس قدر سطحی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام چھوڑ کر عیسائیت یا ہندومت یا بہائیت و قادیانیت اختیار کرے تو ہم سب مسلمان آسمان سروں پر اُٹھا لیتے ہیں اور ایسے مرتد شخص کو رجم وسنگسار کرنے کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ اس کے خلاف بمعہ اس کے اس باطل مذہب کے تحریک پر تحریک برپا کرتے ہیں لیکن یورپی سامراج کے زیر سایہ اور اس کی تائید ونصرت سے چلنے والے ان تعلیمی و تدریسی سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا اقطعًا کوئی احساس یا محاسبہ نہیں کرتے جو دن رات الحاد و دہریت اور دین بیزاری اور دین سے برگشتہ کرنے کے لیے منظّم طریقے سے نوجوان نسل کو اسلام، قرآن اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین کر اپنے ساتھ ملا رہے ہیں۔ ہم خوشی خوشی اپنی نژادِ نو کو ان کے سپرد کرتے ہیں۔ ہماری حکومتیں خوشی سے ان اداروں کے لیے اپنے مالی وسائل کو وقف کرتی ہیں۔ ان کی سرپرستی فرماتے ہوئے ان کی تعلیمی سندات پر وہاں کے فارغ التحصیل افراد کو اپنے سرکاری اداروں اور ریاستی مشینری میں اونچے سے اونچے مناصب پر فائز کر دیتی ہیں۔

ہم مندرجہ ذیل خوبیوں کے مالک تعلیم یافتہ نوجوان تیار کریں گے:

اب رہا یہ سوال کہ ان مدارس اور مراکز تعلیم و تربیت سے کس طرح کی نوجوان نسل کو تیار کرنا ان کے بانیوں کے پیش نظر ہے؟...... یعنی کن خصائص و اوصاف سے متصف نوجوان نسل پیدا کرنا ان تعلیمی اداروں کا نصب العین ہے؟...... اس نوجوان نسل کے اوصاف و کوائف کا تفصیلی تعارف ان اداروں کے بانیوں کی نظر میں جیسا ہے اس کا ذکر اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۵ پر یوں ہے:

سموئیل زویمر اس حوالے سے رقم طراز ہے کہ:

① ''ہماری ان کاروائیوں کا مقصد یا نصب العین یہ نہیں کہ ہم مسلمانوں کو حلقہ بگوش

مسیحیت کر کے ان کے لیے ہدایت وراہنمائی یا ان کے لیے عزت وشرف کا کوئی بندوبست کرنا چاہتے ہیں۔ نہیں! یہ ہمارا مقصد یا نصب العین ہرگز نہیں ہے، اس کے برعکس ہماری اس تمام تگ ودو اور جدوجہد کا اولین مقصد یہ ہے کہ ہم ہر ممکن طریقے سے کام لیں تاکہ اس طرح ہم مسلمانوں کو حلقہ اسلام کے اندر نہ رہنے دیں، تاکہ اس طرح ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد ویقین یا تو بالکلیہ ختم ہو جائے یا کم از کم مشکوک ہو جائے اور اس طرح ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے ہر طرح کا ربط وتعاون منقطع ہو جائے۔

۲ پھر اس کے نتیجہ میں ان کے اندر سے ان اخلاق عالیہ کی جڑ کٹ جائے گی جو قوموں کے لیے ان کی حیات اجتماعی کا سب سے بڑا سبب اور ذریعہ ہوا کرتے ہیں۔

۳ اس طرح ہم اسلامی ممالک کے اندر یورپی استعمار کی فتح وکامرانی کے ہراول دستے کا فریضہ انجام دے سکیں گے۔

۴ بے شک آج ہم نے مسلمان ممالک کے اندر ایک ایسی نوجوان نسل تیار کر دی ہے جس کا:

❀ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے کچھ تعلق نہیں ہے حتیٰ کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے وجود وعدمِ وجود اور اس کی معرفت وعدم معرفت میں بھی کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ نوجوان نسل عیش وآرام کی دلدادہ ہے، کام چور اور کسلمند (سست بے کار) ہے، اسے اس کے اعلیٰ اخلاقی مقاصد سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے، ہر جائز وناجائز ذریعے سے اپنی خواہشاتِ نفس کو پورا کرتی ہے، اس کے لیے ہر حیلہ یا حربہ بروئے کار لانا ان کی زندگیوں کا نصب العین ہے۔ ان کی زندگی کا نصب العین حیوانی خواہشات کی تسکین اور اس کے حصول کے ماسوا کچھ نہیں ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ منصب اور دولت کا مقصد صرف اور صرف حیوانی خواہشات کی تسکین ہے اور بس۔'' [ص: ١٤٦]

معزز قارئین! ......ذرا اندازہ لگائیں کہ کس طرح سامراج منظم اور دیرپا حکمتِ عملی کے تحت تعلیم وتربیت کے نام پر قائم کردہ اپنے ان سیکولر اداروں میں بیٹھے ہماری نوجوان نسل پر شبخون ہی نہیں مار رہا بلکہ اسے دن دیہاڑے ہماری مرضی اور ہمارے ہی ریاستی وسائل اور حکومتی مشینری کے توسط سے ذبح کر رہا ہے۔

مسلمان نوجوان نسل کو مسلمان نہ رہنے دو:

الحادو دہریت کی افواج میں ہماری نوجوان نسل کو شامل کر کے ہمارے اسلامی حصار اور اسلامی اقدار وحقائق کو ڈائنامیٹ کر رہا ہے۔لیکن سادہ لوح مسلمان والدین خوش ہو رہے ہیں کہ ان کی نوجوان نسل تعلیم جدید کے زیور سے آراستہ ہو رہی ہے۔دشمنانِ اسلام نے جو کچھ کہا اُسے سچ کر دکھایا۔انہوں نے کہا تھا کہ:

''یورپی تہذیب وثقافت کے حوالے سے ہماری اس مہم کی دو خصوصیات ہیں:

① تعمیری

② تخریبی۔

تخریبی خصوصیت سے میری مراد ہے مسلمانوں اور بالخصوص ان کی نوجوان نسل کو مسلمان نہ رہنے دینا، خواہ وہ انہیں ملحد بنانے کی صورت میں ہو یا دہریہ بنانے کی صورت میں۔اور تعمیری سے میری مراد ہے کہ اگر ممکن اور مفید نظر آئے تو پھر ان نوتعلیم یافتہ افراد کو حلقہ بگوش مسیحیت ہونے کا شرف واعزاز بخشا جائے، تا کہ اس طرح وہ اپنی قوم کے خلاف یورپی تہذیب وثقافت کے نمائندے کے طور پر کھڑے ہوسکیں۔'' [ص: ۱٤۷]

ذہنوں میں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ ہم جن افراد کا اوپر ذکر کر آئے ہیں یہ تو مسیحی مبشرین ہیں۔چونکہ ان کے اندر تشدّد اور تعصب پایا جاتا ہے لہٰذا ان کی رائے اتنی معتبر کہاں؟ کہ اس پر اس درجہ اعتماد ویقین کر لیا جائے، کہ پورے یورپ کا انہیں نمائندہ مان کر پورے یورپ کے خلاف محاذ بنا لیا جائے۔بادی النظر میں یہ اعتراض کافی جاندار نظر آتا ہے لیکن جب ہم ذرا

گہرائی میں اُتر کر صورت احوال کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم پر حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ مسیحی مبشّروں، یورپی مستشرقوں اور سامراجی حکمرانوں اور سیاست کاروں میں کوئی جوہری نوعیت کا فرق نہیں ہے۔ فرق جو کچھ بھی ہے وہ صرف الفاظ و مصطلحات اور دائرہ کار کا ہے ورنہ عالمِ اسلام کے حوالے سے ان مسیحی مبشروں اور ٹائن بی جیسے مؤرخوں اور منٹگمری واٹ جیسے سیرت نگاروں میں مقصد و نصب العین کے حوالے سے کامل وحدت و یگانگت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں ان حضرات کی آراء یا افکار و تصورات کے مابین کوئی اصولی اختلاف قطعاً نہیں پایا جاتا۔ اس کتاب کے قارئین ان حضرات کی آراء کی یکسانیت سے ان شاء اللہ پوری طرح باخبر اور متفق ہو چکے ہوں گے۔

خواتین اسلام کو صلیبی تہذیب وثقافت میں رنگ دو:

تعلیم کے میدان میں عالمِ اسلام کے اندر جو بگاڑ پیدا کیا جا رہا ہے اور مسلمان نوجوان نسل میں جس طرح الحاد و دہریت کو رواج دیا جا رہا ہے اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے لیکن تعلیم ہی کے میدان میں بگاڑ و فساد کی سب سے زیادہ خطرناک صورت ہے۔ تعلیم نسواں کے نام پر مسلمان عورتوں کے افکار و عقائد میں اختلال و تزلزل پیدا کرنا کیونکہ جب کسی ملت کی عورتیں اپنے عقائد و افکار سے بغاوت و انحراف اختیار کر لیں تو ان کی آغوش اور گود میں پروان چڑھنے والی پود کا الحاد و دہریت کی آغوش میں چلا جانا بالکل ایک منطقی اور فطری امر ہے۔ پھر ان عورتوں کا اثر صرف اپنی اولاد پر ہی نہیں پڑتا بلکہ والدین، بھائی بند، خاوند اور دیگر عزیز و اقارب بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس حوالے سے یورپی سامراج کو اپنے تبلیغی کارندوں کے ہاتھوں جو زبردست کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں ان کا بیان آپ ان کی ایک مبشرہ مسز میکلیگن کے الفاظ میں سن سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ اگرچہ اس مبشرہ نے اپنی کامیابیوں کے حوالے سے مصر کا نام لیا ہے لیکن مصر اس حوالے سے کوئی خصوصیت نہیں رکھتا۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی ان کی پالیسی یہی تھی اور آج تک وہ اس میدان میں بڑے منظم طریقے سے کام کر رہے ہیں، بلکہ ان دنوں تو ہمارے وطن عزیز پاکستان میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، وی سی آر، فلم انڈسٹری اور اخبارات ہماری عائلی زندگی اور ہماری بہنوں، بیٹیوں

، ماؤں کے قلوب واذہان میں جوفکری ونظری فساد وبگاڑ پیدا کر رہے ہیں وہ ان سامراجی تعلیمی اداروں سے بھی بازی لے گیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ تعلیمی ادارے اس میدان میں سبق رکھتے ہیں اور پھر وہ یہ سب کچھ دینی ومذہبی جذبے اور مشن کے ساتھ انجام دے رہے ہیں، اس لیے ان کی اس معیاری حیثیت کے حوالے سے اسے بیان کرنا زیادہ اہمیت وافادیت کا حامل ہے۔ یہ مبشرہ میکلیگن اپنے کارناموں اور کامیابیوں کا ذکر ان الفاظ میں کرتی ہے:

''ہم نے قاہرہ کے ''کلیۃ البنات'' میں صرف ایسی بچیوں کو اپنے ہاں تعلیم و تربیت کے لیے داخلہ دیا جن کے باپ دادا اور ان کے خاندان پاشا اور بک جیسے اعزازات کے مالک تھے اور میرا خیال ہے کہ غالباً ہمارے ادارے کے ماسوا کوئی دوسرا مسیحی ادارہ ایسا نہیں ہے کہ جس نے پاشاؤں اور بکوں جیسے بااثر اور وجیہہ خاندانوں کی بہو بیٹیوں اور بیگمات کو ہم سے زیادہ یورپی تہذیب وثقافت کے رنگ سے رنگین کیا ہو اور ان کے اندر مسیحی اثر ونفوذ پیدا کرنے کے لیے تعلیم و تربیت کے میدان میں ہم سے زیادہ تو خیر کیا ہم جیسی کوئی خدمت انجام دی ہو، ہمارا تجربہ ہے کہ مدارس سے بڑھ کر کوئی دوسری ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں بیٹھ کر اسلامی تہذیب وثقافت کے قلعہ کو بہتر اور مؤثر اسلوب وانداز میں مسمار اور زمین بوس کرنے کا مسیحی فریضہ انجام دیا جا سکتا ہو۔'' [ص: ١٦١]

عالم اسلام کو تباہ وبرباد کرنے کا دس نکاتی پروگرام:

ماقبل صفحات میں ہم نے جن اقتباسات کی طرف آپ حضرات کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے ان کا زیادہ تر تعلق تہذیب وثقافت اور تعلیم وتربیت کے حوالے سے تھا۔ ہم اب اپنی گفتگو کا آغاز دین وسیاست کے حوالے سے کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رہے کہ یورپی ور امریکی سامراجیوں نے عالمِ اسلام کے وسائل وامکانات کا استحصال کرنے اور مسلمانوں کے دین ومذہب کو تباہ وتاراج کرنے کی جو منصوبہ بندی کی ہے یہ کل دس نکاتی پروگرام پر مشتمل ہے۔

اس دس نکاتی پروگرام یا منصوبے کی تفصیل اس طرح ہے:

- ❀ اسلامی حکومت کا خاتمہ۔
- ❀ قرآن پاک کو ختم کرنا۔
- ❀ مسلمانوں کے اندر اخلاقی ونفسیاتی اور ذہنی وعقلیاتی حوالوں سے فساد و بگاڑ پیدا کرنا۔
- ❀ مسلمانوں کی وحدت اور ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا۔
- ❀ مسلمانوں کے اندر دِین کے حوالے سے شکوک وشبہات پیدا کرنا۔
- ❀ عربوں کو سیاسی وحکومتی حوالے سے کمزور و پامال رکھنا۔
- ❀ عالمِ اسلام کے اندر عوامیت اور عوامی جمہوریت اور فلاحی ریاست قائم نہ ہونے دینا اور اس مقصد کے حصول کے لیے عالمِ اسلام کے اندر ڈکٹیٹرشپیں مسلط رکھنا۔
- ❀ مسلمانوں کو صنعتی حوالے سے محکوم ومحتاج بنائے رکھنا اور انہیں کسی بھی قیمت پر صنعتی قوت وطاقت اور خود اعتمادی وخود کفالت کی منزل تک نہ پہنچنے دینا۔
- ❀ عالم اسلام میں با اخلاص وباوفا صاحبان شعور وادراک سیاسی مفکرین اور مجاہد ومؤمن قسم کے عسکری قائدین کو کسی قیمت پر اقتدار کے حصول میں کامیاب نہ ہونے دینا۔
- ❀ مسلمان ممالک کے عالمِ نسواں میں بے راہروی اور انحراف پیدا کرنا، تا کہ ان کی گود و آغوش میں پروان چڑھنے والی نوجوان نسل سیرت وکردار کے حوالے سے بالکل کھوکھلی ونا کارہ ہو اور اس طرح وہ بڑی آسانی کے ساتھ ان سامراجی درندوں کے لیے تر نوالہ بنتی رہے۔

اب ان نکات میں سے چند ایک کے بارے میں ہم اپنی گزارشات تحریر کریں گے، تا کہ قارئین اسلام اور یورپ کی اس کشمکش سے پوری طرح باخبر ہوسکیں۔

① اسلامی حکومت کا خاتمہ اور اس ضمن میں صدیوں تک یورپی سامراجیوں نے ترکی خلافت کے خلاف اپنے آپ کو مصروف تگ وتاز رکھا اور پھر اس موجودہ صدی میں اسے مردِ بیمار کا خطاب دینے کے باوجود اسے تباہ و برباد کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ یہ خلافت عثمانیہ جب تباہ و برباد کردی گئی تو اس کے بعد اس کے

ماتحت علاقوں اور اس کی رعایا کی جو بندر بانٹ کی گئی اور پھر جن شرائط کے تحت انہوں نے ترک علاقوں کو خالی کیا اس کا کچھ ذکر پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔ اب عالم اسلام کو بے شمار خود مختار ریاستوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ان ریاستوں کی یہ خود مختاری و استقلال بالکل برائے نام ہے۔ یہ دراصل عالمِ اسلامی کو تقسیم در تقسیم رکھنے کی یورپی سامراجی منصوبہ بندی ہے، تاکہ اس طرح عالمِ اسلام کو محکوم ومحتاج رکھ کر اس کے وسائل و امکانات کا استحصال کیا جاتا رہے۔

۲ اسلامی حکومت کے خاتمہ کے بعد دوسرا بڑا منصوبہ قرآن پاک کو ختم کرنا ہے جیسا کہ مسٹر گلیڈسٹون کے اقوال کا حوالہ اس کتاب کے صفحات ۱۰۹، ۱۱۸ پر دیا جا چکا ہے۔ قرآن پاک کو ختم کرنا تو یورپی سامراجیوں سے تو کیا کسی بھی جن و بشر کی انفرادی یا اجتماعی کوششوں سے ممکن نہیں ہے کیونکہ اس کی حفاظت و نگہداشت کی ذمہ داری براہِ راست اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ ۱۵/۹"

"ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔"

اس حوالے سے یورپ کا منصوبہ یہ ہے کہ مسلمان علماء ومفسرین میں ایسے افراد کھڑے کر دے جو قرآن پاک کے نزول کے مقاصد عالیہ کو مسلمانوں کے قلوب واذہان میں اُجاگر نہ ہونے دیں۔ اسی طرح قرآن پاک کے نام پر صرف ایسے ادارے قائم کرنے میں مدد دے جو کہ صرف قرأت وتجوید کے علوم کی تعلیم وتدریس تک محدود ہوں، جو الفاظ قرآن کے صورتی محاسن وکمالات کا مسلمانوں کو گرویدہ بنانے پر اپنا تمام زور اور قوت و صلاحیتیں وقف کیے ہوئے ہوں، لیکن وہ مقاصدِ نزولِ قرآن کی معرفت اور ان مقاصد کے لیے جدوجہد برپا کرنے کے شعور وادراک سے بالکلیہ محروم ہوں۔

۳ مسلمانوں کی اخلاقی ونفسیاتی حالت میں فساد وبگاڑ پیدا کرنا۔ اس مقصد کے لیے عالمِ

اسلام کی تقریباً تمام نام نہاد آزاد و خود مختار ریاستوں کے اندر بدترین قسم کا کافرانہ معاشی نظام مسلط کیا ہوا ہے۔ ستم ظریفی دیکھئے کہ خود یورپ نے اپنے ممالک کے اندر جو سرمایہ دارانہ معاشی نظام نافذ کیا ہوا ہے اس کے محاسن و منافع کو وہ عالمِ اسلام کے اندر نفاذ پذیر نہیں ہونے دیتا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر عالمِ اسلام کے اندر حقیقی اسلامی معاشی نظام تو خیر بہت بڑی بات ہے اگر یورپ میں نافذ شدہ معاشی نظام ہی عالمِ اسلام میں صحیح طور پر نفاذ پذیر ہو جائے اور اس طرح عوام الناس میں پایا جانے والا فقر و افلاس ختم ہو جائے تو اس کے نتیجہ میں لامحالہ طور پر مسلم عوام کے اندر تہذیبی و ثقافتی حوالے سے ایک خود شعوری و خود اعتمادی کا دور آغاز پذیر ہو جائے گا۔ پھر جب مسلم عوام اپنی تہذیب و ثقافت کے حوالے سے خود شعوری و خود اعتمادی کی منزل کو حاصل کر لیں گے تو اس طرح یورپ کی فوقیت و بالادستی کے تمام تصورات آخر کار پارہ پارہ ہو جائیں گے۔

عالمِ اسلام میں کافرانہ نظامِ معیشت کے نفاذ ہی کی وجہ سے وہاں اقربا پروری، رشوت، خیانت و غبن اور لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ ہے۔ مسلم عوام سیرت و کردار کے حوالے سے ثبات و استقلال سے محروم ہیں۔ ان پر مسلط حکمران زیادہ تر ملک و ملت کے حوالے سے خائن و غدار ہیں۔ وہ اقتدار کے حصول اور مسندِ اقتدار پر براجمان رہنے کے لیے عالمِ کفر سے سازگاری کرنے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ اور اس کے لیے اگر انہیں مسلم عوام کو کند چھری سے ذبح بھی کرنا پڑتا ہے تو وہ اس ناپاک منصوبے کی تکمیل میں قطعاً کوئی شرم یا عار محسوس نہیں کرتے۔ اس غلط معاشی نظام کی وجہ سے ہر چیز میں بناوٹ، فریب اور دھوکہ دہی کا غلبہ ہے۔ ہر چیز خریدنی و فروختنی جنس میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اقدارِ عالیہ اور اصولِ اخلاق تک کو اب صرف مادی اجناس کے پیمانوں سے ماپا جاتا ہے۔ ماں باپ اور استاد و مرشد جیسے مقدس و محترم رشتے بھی دولت کی گولہ باری کے سامنے پگھل پگھل کر مادیت کے صحراؤں میں، حرص و لالچ کی فضاؤں میں تحلیل ہوتے نظر آتے ہیں اور یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟...... صرف اس لیے کہ یورپی سامراج عالمِ اسلام کے مسلم عوام کو اخلاقی حوالے سے مفلوج، نفسیاتی حوالے سے مریض اور

سیرت و کردار کے حوالے سے تہی دامن دیکھنا چاہتا ہے۔اور انہیں ہر اخلاقی قدر سے تہی دامن اور کسی بھی اعلیٰ نصب العین کے لیے قربانی دینے کے ہر جذبے سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔

۴ وہ مسلمانوں کے اندر کسی طرح کی بھی وحدت یا کسی حوالے سے بھی اتحاد و تمرکز کو برداشت نہیں کر سکتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ مسلمانوں کا اتحاد ایٹم بم سے زیادہ طاقت ور ہے کیونکہ مسلمانوں کو جو جغرافیائی پوزیشن حاصل ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے جس فیاضانہ طریقے سے معدنی و مادی وسائل و انعامات سے نوازا ہے۔برّی، بحری اور فضائی حوالوں سے انہیں جو عدیم النظیر حیثیت حاصل ہے،ان کے پاس جو سمندری و آبی شاہراہیں اور زرخیز وادیاں ہیں،ان کے پاس جو جنت نظیر قطعاتِ اراضی ہیں، یہ تمام چیزیں اگر ایک صحیح و جاندار قیادت کے ماتحت ہو کر ایک مرکز پر مجتمع ہو جائیں تو پھر ان کو غلام ومحتاج بنائے رکھنا یورپی سامراج کے لیے کسی بھی قیمت پر ممکن نہیں ہے۔لہٰذا عالمِ اسلام کو متفرق و پراگندہ رکھنے ہی میں یورپی سامراج کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔یہی وہ بات ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سامراجی یورپ کا ایک سامراجی دانشور ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے:

''اگر مسلمان کسی ایک عرب مملکت کی صورت میں متحد ہو جائیں تو اس طرح پوری دنیا کے لیے لعنت یا خطرہ بن جانے کا امکان بہت زیادہ بڑھ جائے گا۔''
ان کے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ شاید وہ اس طرح پوری دنیا کے لیے ایک بہت بڑی رحمت یا نعمت ثابت ہوں گے۔لیکن وہ منتشر یا پراگندہ ہو کر رہیں (جیسا کہ وہ اب ہیں) تو دنیا میں نہ تو کوئی ان کا وزن ہوگا اور نہ ہی وہ کوئی اثر یا تاثیر ظاہر کر سکیں گے۔'' [ص:۱۵۰]

یہی سامراجی دانشور اسی نکتہ پر گوہر افشانی کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہے کہ:

''پس ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم عربوں اور مسلمانوں کو منتشر اور پراگندہ رکھنے کی کوششوں اور تدابیر کو جاری رکھیں تا کہ وہ اسطرح ہر طرح کی طاقت اور

اثر و تاثیر کے بغیر ناکام و نامراد زندگی گزارنے میں مشغول رہیں
۔" [ص: ۱۵۰]

یورپی سامراج اور اس کے سامراجی دانشور اس امر کو بخوبی جان چکے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو عالم اسلام کے اندر صحیح معنی میں آزادی وخودمختاری حاصل ہو جائے اور اس کے لیے ان کے اندر صحیح معنی میں اسلامی نظامہائے حیات وحکومت کے سائے میں زندگی گزارنے کی روایات پختہ اور ادارے مستحکم ہو جائیں تو اسلام جلد ہی ان ممالک اسلامیہ کے عوام اور ان کی رعیتوں کے لیے عزت وآبرو اور غلبہ ونصرت کا سبب بن سکتا ہے۔ لہٰذا عالمِ اسلام میں صحیح وحقیقی خلافت کے فروغ واستحکام کو روکنے کے لیے وہاں پر مطلق العنان آمروں کی ڈکٹیٹرشپیں قائم کرنا، انہیں مضبوط ومستحکم کرنا یورپی سامراج کے لیے انتہائی طور پر ایک محبوب مشغلہ بن چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ ایک طرف تو دنیا میں جمہوریت اور عوام کے جمہوری حقوق کا چیمپئن بنا ہوا ہے، دوسری طرف جب کوئی فوجی حکمران اپنے ہاں آئنی وقانونی حکومت کا تختہ اُلٹ کر مطلق العنان آمر بن کے ۸۰ فی صد عوام کے ہر طرح کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتا ہے تو یہی امریکہ ایسے آمروں کا پشتیبان بن جاتا ہے۔

سیاسی حوالے سے ایک اور نکتہ کا جان لینا بھی ازحد ضروری ہے۔ سامراجی یورپ کے حکمران اور مفکرین اس بات کو اچھی طرح جان چکے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے غالب و مقتدر اور فاتح ومنصور ہونے میں عربوں کو مرکزی وکلیدی مقام حاصل ہے، کیونکہ یہ عرب ہی تھے جنہوں نے اسلام کے انوارِ علم وعمل اور اس سے عدل ومساوات کو دنیا بھر کے نظامہائے ظلم واستبداد کے مقابلے میں غالب ومقتدر بنایا اور پھر دنیا جہاں سے معاشی جبر واستبداد کا صفایا کیا۔ معاشرتی اونچ نیچ کو تہہ تیغ کیا، اخوت ومواخات کے نظام کو بالفعل قائم کیا۔ انسانیت کو شجر وحجر کی پرستش ومحکومیت سے نکال کر انہیں شرفِ آدمیت اور اعزازِ انسانیت سے مالا مال کیا۔ انسان کو مسجود ملائکہ منوا کر کائنات کو بربنائے علم وحکمت انسان کے لیے مسخر قرار دے کر اُسے بھرپور طور پر حکمران بن جانے کے لاہوتی پیغامِ ازیں بنایا۔ یہ تمدن کے عرب ہی تھے کہ جن کے کائناتی علوم اور سائنسی منہاج سے یورپ کو شناسائی ہوئی۔ پھر اس کی اساس ہی پر

یورپ کو اپنے ہاں پائی جانے والی ظلمت و جہالت اور وحشت و سربریت پر غالب آنے کے لیے تعلیم و حکمت کے لازوال اصول اور ادارے حاصل ہوئے۔لہٰذا سامراجی یورپ کے تمام حکمران اور دانش فروش، دانش ور اس امر پر متفق ہو چکے ہیں کہ وہ عربوں کو لاغر و کمزور بنائے رکھنے کے لیے انہیں منتشر و پراگندہ رکھیں۔انہیں ایک مرکز پر متحد نہ ہونے دیں۔انہیں اسلام کے عظیم ورثہ سے غافل رکھیں اور انہیں غیر اسلامی جاہلی نعروں میں گرفتار رکھیں جیسا کہ ایک یورپی دانش ور کا یہ مقولہ آپ پڑھیں گے کہ:

''یہ بات تاریخی طور پر ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ عربوں کی قوت اسلام کی قوت کے ہم معنی و مترادف ہے۔لہٰذا اگر عربوں اور عرب قوت کو تباہ و برباد یا کمزور کر دیا جائے تو اس تباہی و کمزوری سے اسلام کی تباہی یا کمزوری خود بخود پیدا ہو جائے گی۔'' [ص ۱۵۶]

لہٰذا یہی وہ نکتہ ہے کہ جس کی وجہ سے عالم عرب کو آج کئی ایک آزاد و خود مختار ریاستوں میں تقسیم کر کے رکھا ہوا ہے، وہاں پر ملوک و شیوخ کا غلبہ ہے۔صحیح و حقیقی قرآنی حکومت کی بجائے ملوکیت، مطلق العنانیت اور آمریت کے سائے دن بدن گہرے سے گہرے تر کیے جا رہے ہیں۔مزید برآں یہ کہ وہاں پر تیل، پٹرول اور دیگر معدنی ذخائر و خزائن کے جو لازوال امکانات ہیں ان کا بالواسطہ اور بلاواسطہ استحصال کرنے کے لیے آج یورپی سامراج امریکہ کی زیر قیادت سعودی شاہی خاندان کے دفاع اور حمایت کے نام پر اپنے جنود و عساکر کو جزیرۂ نمائے عرب سے لے کر امارات، بحرین اور قطر تک کی خلیجی ریاستوں میں اُتار چکا ہے۔لہٰذا ہم مسلمانوں پر واجب ہے کہ ہم ان حقیقتوں کا علم و ادراک یورپ کے سامراجی پراپیگنڈے اور ان کے سامراجی ذرائع ابلاغ سے حاصل نہ کیا کریں بلکہ اپنے اندر وہ نور و بصیرت پیدا کریں جو ایمان و تقویٰ کا لازمی ثمرہ ہے۔لہٰذا مسائل و معاملات وہ مقامی ہوں یا بین الاقوامی، وہ عالم کفر سے متعلق ہوں یا عالمِ اسلام سے، انہیں صرف اور صرف اسلام اور عالمِ اسلام کے مفاد و غلبہ اور عالمِ کفر کی مغلوبیت اور رسوائی کے حوالے سے دیکھنا چاہیے اور بس...... عربوں سے ہم آج کیا شکوہ کریں ہم خود بھی پاکستان میں یورپی و امریکی سامراج کی

سازشوں کے شکنجے میں گرفتار ہیں۔عربوں کو کمزور اور منتشر رکھنے کی جہاں سیاسی وحکومتی میدانوں میں لاتعداد تدابیر کو یورپی وامریکی سامراج زیرعمل لارہا ہے اسی طرح وہ تعلیم و ثقافت اور عربوں کو جدید بنانے کے نام پر کئی ایک تدابیر اور پالیسیوں کو مقبول بنا کر انہیں رواج دے رہا ہے۔

ان خفیہ سازشوں میں سے ایک بہت بڑی سازش جس کا تقریباً پوراعالم عرب (الا ماشاء اللہ) شکار ہو چکا ہے اور جس کا ہمیں عرصہ دراز سے مشاہدہ ہو رہا ہے، وہ یہ کہ عالم عرب کے مابین باہمی تفاہم اور دین حنیف کی تفہیم کے لیے وہ عربی زبان جسے لغت فصحیٰ کہا جاتا ہے اور جو اسلام شناسی کے لیے ناگزیر چیز ہے کیونکہ لغت عامیہ کی بنیاد پر دین حنیف کا سمجھنا مشکل ہے اور پھر یہ لغت عامیہ چونکہ ایک ہی ریاست میں چند میل کے فاصلے پر مختلف ہو جاتی ہے لہٰذا اس کی بنیاد پر عربوں کے مابین تفاہم باہمی میں بھی بڑی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔لہٰذا یورپی سامراج کی ایک نہایت پرفریب سازش یہ بھی ہے کہ عربوں سے آہستہ آہستہ لغت فصحیٰ کو ناپید کر دیا جائے اور اس کی جگہ پر ہر ریاست میں علاقائی بولیوں کو بڑی شدت کے ساتھ رواج دیا جائے، تاکہ اس طرح یہ عرب دین حنیف کے سرچشموں سے محروم رہیں اور پھر ان کے مابین تفاہم باہمی کے میدان میں مشکلات پیدا ہوں، اور بالخصوص وہ غیر عرب علماء جو لغت فصحیٰ میں واقفیت و جانکاری پیدا کر چکے ہوں ان کے اور عالم عرب کے مابین تفاہم باہمی کے مواقع نہ پیدا ہو سکیں۔

پاکستان میں اُردو کی مظلومیت اور انگریزی کی حاکمیت:

بعینہٖ اسی طرح کی سازش ہر اسلامی ملک میں بروئے کار لائی جارہی ہے۔مثلاً پاکستان میں تینتالیس سال گزر جانے کے باوجود آج تک ہماری قومی اور رابطہ کی زبان اردو کو دفتری و تدریسی زبان کے طور پر انگریزی زبان کی جگہ پر نافذ نہیں کیا جا سکا۔اُردو زبان جو کہ برصغیر پاک و ہند میں تمام مسلمانوں بلکہ ہندوؤں کے ساتھ بھی رابطے اور تفاہم و تفہیم کا کام دینے کی بھرپور استعداد و صلاحیت رکھتی ہے اور اگر اس میں کوئی کمزوری پائی جاتی ہے تو اسے اہل علم

کے تعاون، لگن اور محنت سے بڑی آسانی کے ساتھ دور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اردو زبان کو علاقائی زبانوں کی حریف اور مدمقابل کے طور پر لا کھڑا کیا ہے اور مختلف علاقائی وحدتوں کا یورپی سامراج کی تائید وحمایت سے مسلط ہونے والا حکمران ٹولہ استحصال کرتا رہا ہے۔ اسے اُردو زبان کے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے، مظلوموں کے قلوب واذہان میں یہ بات پوری قوت اور شدت کے ساتھ بٹھا دی گئی ہے کہ وہ استحصال کا اسی لیے شکار ہیں کہ وہ اُردو زبان کو اپنے گلے کا ہار بنائے ہوئے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اُردو زبان کو اپنے بازاروں ،ثقافتی مرکزوں اور تعلیمی وتربیتی اداروں سے بالکلیہ جلا وطن کر دیں اور اس کی جگہ پر اپنی علاقائی زبانوں کو لائیں۔ لیکن چونکہ یہ علاقائی زبانیں ان اغراض ومقاصد کو ادا کرنے سے فی الحال عاجز ہیں، انہیں اُردو کے مقام پر لانے کے لیے برسوں کی محنت وایثار درکار ہے۔ پھر یہ حقیقت ہے کہ زبانیں دنوں یا سالوں میں نشو ونما نہیں پایا کرتیں، ان کی نشو ونما کے لیے صدیاں درکار ہوتی ہیں۔ اس طرح اردو زبان کوئی پاکستان میں آ کر نشو ونما یافتہ نہیں ہوئی بلکہ اسے مقام ومنزل تک پہنچنے میں صدیاں لگی ہیں اور ہزاروں عالموں، ادیبوں اور نثر نگاروں کی دن رات کی محنتوں نے اسے اس مقام تک پہنچایا ہے۔ غرضیکہ سامراج کی چال یہ ہے کہ علاقائی زبانوں کے نام پر عصبیتوں کے عفاریت کو رہا کر کے علاقائی وحدتوں کے قلوب واذہان میں اتارا جائے، پھر اُنہیں اُبھارا جائے کہ وہ اُردو زبان کے خلاف عداوت وعناد کا رویّہ اختیار کریں، کیونکہ اس کا منطقی نتیجہ اور لازمی ثمرہ اس کے سوا کچھ اور برآمد نہیں ہوگا کہ وہ پاکستان میں انگریزی زبان کے حق میں اپنا ووٹ ڈالیں گے۔ وہ جب مادری اور انگریزی زبانوں کو یکساں طور پر اجنبی اور سامراجی زبانیں قرار دیں گے اور انہیں یہ بتایا جائے گا کہ اُردو زبان ان لوگوں کے لیے غلبہ وتفوّق کا سبب بن سکتی ہے جن کی وہ مادری زبان ہے اور ان کے لیے بادی النظر میں کمزوری کا سبب بن سکتی ہے جو اسے مادری زبان کے طور پر نہیں بولتے، تو اس کے نتیجہ میں یہ نوجوان نسل اُردو زبان سے نفرت کرنے لگے گی۔ نتیجتاً وہ انگریزی زبان کو سیکھنے، اسے بولنے اور لکھنے پر دن رات محنت کرے گی لیکن اردو زبان کے حوالے سے اپنی استعداد وصلاحیت کو بڑھانے کے لیے کوئی ادنیٰ ترین کوشش بروئے کار

لانے کی وہ قطعاً روادار نہیں ہوگی۔ پاکستان کے حوالے سے ہمیں اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جب تک ہم اپنی قومی زبان اُردو کو سرکاری زبان نہیں بنائیں گے ،جب تک ہم اپنے دفتروں ،عدالت و تعلیم گاہوں کی سب کی سب ضروریات کو اُردو کے ذریعہ پورا نہیں کریں گے اس وقت تک پاکستان خود کفالت و خود اعتمادی کی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا اور جب تک تعلیم اور ثقافت کے حوالے سے ہمارے اندر اغیار کی محتاجی اور بالا دستی کا خاتمہ نہیں ہوگا اس وقت تک ہمارے اندر اپنی ذات اور اپنی قوم پر اعتماد کرنے کا جذبہ بیدار نہیں ہو سکے گا۔

باقی رہا یہ سوال کہ ہم اپنی قومی زبان میں کیا سائنس پڑھا سکتے ہیں؟......تو ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اُردو زبان کے ذریعہ سائنس پڑھانے کا جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن میں کامیاب تجربہ ہو چکا ہے اور پھر جاپان اور چین جیسے آزاد خود مختار ممالک نے اپنی قومی زبانوں ہی کے ذریعے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدانوں میں اپنی عظمتوں کے پھریرے لہرائے ہیں اور اپنی قومی عظمت کا لوہا منوایا ہے۔لہٰذا ہم مسلمان ہو کر ایسا کیوں نہیں کر سکتے ؟......پس اگر ہمارے اندر اپنی اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد و ایمان صحیح معنی میں پیدا ہو جائے تو ہم ہر مشکل کا جواب تلاش کر کے اسلامی عظمت کا لوہا منوا سکتے ہیں۔

چیست اے یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

گذشتہ صفحات میں جو کچھ بیان ہوا ہے یہ تو مرض اور اس کی علامات کا بیان تھا۔لیکن اب سوال یہ ہے کہ اس میں ہمہ گیر مرض واراس کے اسباب وعلامات کوختم کر کے جسدِ ملّت کے اندر صحت وسلامتی کا اعادہ کیسے ہوگا کہ جس کے نتیجہ میں اُمت مسلمہ اپنے اصل فرائض کوادا کرنے کی استعداد وصلاحیت سے مالا مال ہو سکے؟......آج عالمِ اسلام کا وہ کون سا خطہ ہے کہ جہاں پر وطنیت وقومیت کا غلبہ نہیں ہے۔حقیقت یہ ہے کہ آج کفر واستعمار نے اُمت مسلمہ کو وطنی وقومی ریاستوں اور وطنیت وقومیت کے نام پر قائم شدہ سیاسی حکمران پارٹیوں کے چنگل میں بری طرح گرفتار کر رکھا ہے۔اگرچہ یہ ممالک سیاسی حوالے سے آزاد ہیں لیکن معاشی وثقافتی حوالے سے یہ ممالک دوہری بلکہ تہری غلامی میں مبتلا ہیں۔ان میں فریب، دھوکا، جھوٹ منافقت، رشوت، بددیانتی وبدکاری اور چوری و چور بازاری، ڈاکہ اور اغوا جیسے گھناؤنے جرائم کا چلن عام ہے۔ان ممالک کے حکمران سودی قرضے لے کر عیاشیاں کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔لادینیت کا غلبہ ہے، یورپ کی دست نگری اور ثقافتی وذہنی غلامی میں دن رات اضافہ ہو رہا ہے۔آزاد وخود مختار اسلامی سیاست، معاشرت، معیشت اور تعلیم و ثقافت کا بالکلیہ فقدان ہے۔اسلام کے نام پر منافقت، دھوکہ دہی اور سودے بازی کا رواج دن رات فروغ پذیر ہے۔

آزاد ہو جانے کے بعد دیہات کی آبادی جو کل آبادی کا ستّر فی صد یا اس سے کچھ زیادہ ہے، وہ بنیادی ضرورتوں جیسے صاف پانی اور علاج معالجہ کی سہولتوں سے بھی محروم ہے۔ہاری و کسان بیچاروں کی زندگیاں حیوانوں سے بدتر ہیں، شہری آبادی کا اسّی فی صد طبقہ جو شہری مزدوروں اور ملازمین پر مشتمل ہے وہ بیچارے اپنے جسم وجان کا رشتہ آبرومندانہ طریقے سے برقرار رکھنے سے عاجز آچکے ہیں۔بیکاری وبے روزگاری اور پھر روز افزوں گرانی اور گراں

بازاری کے ہوشربا مناظر اور رجحانات میں دن رات اضافے پر اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان ممالک میں جاگیرداریت ووڈیرہ شاہی اور سرمایہ داریت ونوکر شاہی کا تسلط ہے۔ حکومتی ڈھانچے ابھی تک انگریزوں کے قائم کردہ ہیں۔ البتہ کہیں کہیں ان میں امریکی نمونے کے مطابق کچھ کتر بیونت کر لی گئی ہے۔ حکمران طبقات میں جہاں پہلے یورپی حکمران تھے اب ان کی جگہ پر ایسے مقامی حکمران طبقات آ گئے ہیں جو اپنی زبان، کلچر، بودوباش میں سو فی صد یورپی نمونے پر ڈھل چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اسلام اور عوام کو دھوکہ دینے کے لیے نمائشی طور پر ریڈیو اور ٹی وی پر اذانیں دلانے، تلاوت کرانے، حمد ونعت خوانی کے مقابلے کرا کر، اسی طرح سیرت کے جشن منا کر اور جلوس نکال کر عوام الناس کی مذہبیت کو دھوکہ دینے میں مصروف ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس صورت احوال کو کیسے بدلا جائے؟...... اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے ہم یہ فیصلہ کریں کہ کیا واقعی ہم اس صورت احوال کو تبدیل کرنے کے لیے تیار ہو چکے ہیں؟...... اگر ہم اس کام کے لیے تیار ہیں تو پھر اس کو انجام دینے کے لیے جس فکری راہنمائی کی ضرورت ہے اس کے لیے ہمیں کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا جس رسول معظم ومکرم ﷺ پر ایمان ہے وہ خاتم النبیین ہیں۔ ہماری کتاب (قرآن) خاتم الکتب ہے اور ہم خاتم الامم ہیں۔ لہٰذا ہماری یہ حیثیتیں ہمارے لیے اس امر کو لازم قرار دیتی ہیں کہ ہم اپنے امام ومقتدا کے راستہ پر چلیں۔ آپ ﷺ کا راستہ ایمان، جہاد، شہادت اور انقلاب کا راستہ ہے۔ آپ ﷺ کا راستہ عدل احسان اور ایتاءِ ذِی القربیٰ کی اقدار کے غلبہ ونفاذ کا راستہ ہے۔ عدل واحسان کا راستہ جاگیرداریت، سرمایۂ داریت ملوکیت، آمریت اور نوکر شاہی سے نجات پا کر اسلامی معاشرے کو اخوت ومواخات اور عدالت ومساوات پر قائم کرنے کا راستہ ہے۔ یہ راستہ علم، نور، روشنی، خود کفالت وخود مختاری کا راستہ ہے۔ یہ اغیار کی دست نگری ومحتاجی اور قرض خواہی اور امداد طلبی کا راستہ نہیں ہے۔ اس راستہ پر چلنے والوں کی منازل کوہِ صفا وشعب ابی طالب، ہجرت، غزوۂ بدر، احد اور صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور حنین کی منازل ہیں۔ یہ فتح روم اور فتح فارس کی منازل ہیں۔ روم وفارس کو فتح کرنا عقائد کی جنگیں برپا

کر کے نہیں کہ اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا بلکہ وہاں کے مظلوموں، مقہوروں اور مجبوروں کو ظالموں کے جبر و استبداد سے نجات دلا کر انہیں انسانی احترام اور انسانی بنیادی حقوق کی ضمانت مہیا کرنے کے لیے ہیں۔ اسلام جوع الارض کے لیے نہیں بلکہ ملوک و مستبدین کے جور و جبر سے رہائی اور نجات دلانے کے لیے اہلِ ایمان کو شہادت کا مرتبہ پانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کا حکم دیتا ہے۔ پس عالمِ اسلام کو موجودہ بحران سے نکالنے کے لیے یورپ زدہ اسلام کو رد کرنا ہوگا۔ ان سیاسی پارٹیوں سے رہائی پانا ہوگی جو مغربی افکار و تصورات کے تحت اسلام کو یورپی نمونے پر ڈھال کر اس انقلابی دین کو یورپ کی انتخابی سیاست کی نذر کر چکی ہیں۔ ان حکمرانوں سے نجات پانا ہوگی جن کی وفاداریوں کا قبلہ و کعبہ سرکارِ مدینہ کی بجائے لنڈن، پیرس اور واشنگٹن ہے۔ ان دانش فروشوں اور ان کے زیر سایہ چلنے والے تعلیمی و تربیتی اداروں کا حل سوچنا اور انہیں رد کرنا ہوگا جن کی تعلیم اور تربیت کے اثر سے لادین، عیاش، راشی اور خودغرض مغرور یورپی تہذیب کی دلدادہ اور عالمِ کفر کی آلہ کار نسلیں تھوک کے بھاؤ تیار کی جا رہی ہیں۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے متقی مسلم قیادت کو آگے آنا ہوگا۔ ایسے مسلم انقلابی مفکرین کو قائدانہ کردار ادا کرنا ہوگا جو اسلام کے انقلابی مقاصد کا واضح شعور و ادراک رکھتے ہوں۔ جن کا راستہ جہاد ہو، جن کا نصب العین شہادت ہو اور جو عالمِ کفر کو ملت واحدہ سمجھتے ہوں۔ اسی طرح جو عالمِ اسلام کو بھی ملتِ واحدہ ہی مانتے ہوں اور عالمِ کفر نے عالمِ اسلام کو جن خودساختہ لکیروں، لائنوں اور حد بندیوں میں اپنے جبر واستبداد کے زور پر تقسیم کر رکھا ہے وہ ان تقسیمات کو ختم کرنا اپنے اسلام اور ایمان کا لازمی تقاضا مانتے ہوں۔ ایسی قیادت کے لیے نئے مراکز بنانے کے لیے کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اسلام نے انہیں مسجد جیسا ادارہ اور منبر جیسا پلیٹ فارم عطا کر رکھا ہے۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ مسجد اور منبر کو اس کے اصل مقاصد سے ہمکنار کیا جائے اور اس راستے میں جو خود ساختہ دیواریں اور رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی ہیں ان کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ قرونِ اولیٰ میں مساجد (دارارقم سے لے کر مسجد نبوی تک) صرف اور صرف انقلابِ اسلامی کی نقیب اور اسکی تربیت گاہیں تھیں۔ وہ اسلامی انقلاب کی امین اور اس کی محافظ تھیں، وہ اسلامی خلافت اور

تمکن فی الارض کے مقاصد کے حصول کی حتمی و یقینی بنیادی فراہم کرنے والے ادارے تھیں۔ وہ عدالت گاہیں تھیں، وہ تعلیم و تربیت کے مراکز تھے۔ لہٰذا مساجد اور وابستگانِ مساجد کو اپنے فرائض کی بجا آوری کے لیے میدان انقلاب میں مردانہ وار آگے لانا ہوگا۔ گویا حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے ان الفاظ پر ہمیں عمل کرنا اور ان کا مصداق بننا ہوگا جن میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

چہ باید مرد را، طبعے بلندے مشربے نابے
دل گرمے نگاہِ پاک بینے جان بے تابے
تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا! خدا کا ترجماں ہو جا
ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا......!
یہ ہندی وہ خراسانی، یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندہ ساحل اُچھل کر بے کراں ہو جا
یہ نکتہ سر گزشت ملت بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوام زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے!
مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا زورِ حیدرؓ، فقر بوذرؓ صدق سلمانیؓ
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کے
ولایت پادشاہی علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اِک نقطہ ایماں کی تفسیریں
یقیں افراد کا سرمایۂ ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرے تقدیرِ ملت ہے (بانگِ درا)

عالمِ اسلام کے اس ہولناک منظر کو دیکھ کر اسے مطلوبہ نصب العین کے مطابق تبدیل کرنے کے لیے ہمیں اس بات کو اچھی طرح اپنے قلب ونظر میں راسخ کر لینے کی ضرورت ہے کہ انسانی دنیا میں جو بھی مثبت یا منفی تبدیلی آتی ہے اس کا نقطۂ آغاز انسان ہوتا ہے اور انسانی نفسیات اور انسانی ماحول کو تبدیل کیے بغیر کسی بھی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ قرآن پاک اس حوالے سے ہماری راہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ﴾[1]

''بے شک اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم کے احوال وظروف میں کوئی بھی تبدیلی اس وقت تک نہیں لاتے جب تک کہ وہ قوم اپنے اندر نفسیاتی تبدیلی نہ لے آئے۔''

اس نفسیاتی تبدیلی سے مراد یہ ہے کہ قوم کی سوچ کو تبدیل کیا جائے، سوچنے کی عادتیں تبدیل کی جائیں، انسانوں کے اندر اجتماعی سوچ کو پیدا کیا جائے۔ ایسا اجتماعی ماحول پیدا کیا جائے کہ جس کے نتیجہ میں سوچنے کے اس امتیازی وصف کا اظہار انسان سے ہو سکے جس کی بنیاد پر وہ ملائکہ اور بقیہ مخلوقات سے افضل قرار پاتا ہے۔

پاکستان کے حوالے سے سازشوں کا توڑ کیسے کریں؟

پاکستان کے حوالے سے ایک امر پر ہماری توجہ خاص طور پر مرکوز رہنی چاہئے اور وہ یہ کہ تمام عالمِ اسلام میں یہ امتیاز صرف پاکستان کو حاصل ہے کہ اس کے قیام اور تاسیس میں مرکزی و بنیادی کردار نہ تو وطنیت نے انجام دیا ہے اور نہ ہی وہ دیگر لونی (رنگ ونسل)، لسانی یا معاشی محرکات ہی اس کی بنیاد بنے ہیں جن کی اساس و بنیاد پر دورِ جدید میں اقوام اور قومی ووطنی ریاستیں معرضِ وجود میں آ رہی ہیں۔ ان کے برعکس اس مملکتِ خداداد پاکستان کی بنیاد صرف اور صرف دین اسلام ہی ہے۔ لہٰذا جب تک پاکستان کے حکمران اس حقیقت کو پورے شرح صدر کے ساتھ قبول نہیں کریں گے اور اس حقیقت نفس الامری کے تقاضوں سے عہدہ برآء ہونے کے لیے وہ خلوص واخلاص کے ساتھ حکومتی اور عوامی سطح پر ہمہ گیر نوعیت کی معاشی و معاشرتی اور تعلیمی وثقافتی کوششیں بروئے کار نہیں لائیں گے۔ اس وقت تک پاکستان کے

---

[1] الرعد: ١٣/١١

ثبات واستحکام کا مسئلہ یا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

ماقبل صفحات میں دشمنانِ اسلام کی جن سازشوں کا ذکر آیا ہے اور جن داخلی کمزوریوں اور جرائم کے ہاتھوں آج عالمِ اسلامی لاچار ہو رہا ہے ان کا حل پاکستان کے حوالے سے اس طرح ہے کہ:

① پاکستان میں کتاب اللہ کی بالا دستی قائم کی جائے اور پھر ہر اس فکر، نظریے یا عقیدے کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا جائے جو اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ ضابطۂ حیات کی نصوص یا ان کی روح سے معارض و مخالف ہو۔

② تدریس و تعلیم اور تہذیب و تربیت کے میدانوں کا از سرِ نو جائزہ لیا جائے۔اور پھر ایسے افکار و تصورات جو قرآنی اقدار، اخلاق، افکار، ایمانیات اور قرآنی، معیشت، معاشرت اور سیاست کی نصوص یا ان کی روح کے خلاف ہوں ان سے مسلم افراد، معاشرے اور ریاست کو نجات دلا کر پھر مثبت طور پر ان افکار کو پروان چڑھایا جائے اور ان تدابیر کو بروئے کار لایا جائے جنہیں کتاب اللہ نے ایک مسلم فرد کو نفس مرتضیٰ بننے کے لیے اس کے اخلاق، ایمان اور فکر کی تطہیر و تعمیر کے لیے لازمی قرار دیا ہے۔پھر پاکستان میں اجتماعی طور پر ایک ایسا معاشرتی ماحول پیدا کیا جائے جو قرآنی معیشت، قرآنی معاشرت اور قرآنی سیاست کے ساتھ بالکلیہ ہم آہنگ و سازگار ہو۔

چونکہ عالمی سطح پر اقوام اور ریاستیں عداوت و عناد، جنگ در جنگ اور اس کے مظہر کی صورت احوال سے دوچار ہیں اور اس صورت احوال کا تدارک امتِ مسلمہ عالمی سطح پر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے بغیر انجام نہیں دے سکتی۔لہٰذا اُمت مسلمہ کی تمام اکائیوں کو ایک مرکز پر متحد کرنے کے لیے عالمِ اسلام کا ایک بلاک قائم کیا جانا چاہیے۔ایک ایسا بلاک جس کا دفاع، خارجہ پالیسی اور کرنسی ایک ہو اور جس کے مابین ویزے کی کوئی پابندی نہ ہو اور جس کے مابین تجارت وصنعت اور کاروباری لین دین کے حوالے سے برادر یونٹوں کے مابین کسی طرح کی پابندیاں نہ ہوں۔

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ اس نصب العین کے راستے میں اول رکاوٹ دشمنانِ

اسلام ہیں اور پھر ان کے وہ حلیف جو عالمِ اسلام پر حکمران ہیں، وہ بھی اس نصب العین کو دل سے پسند نہیں کر سکتے لیکن چونکہ اس نصب العین میں عالمِ اسلامی کی زیادہ سے زیادہ نفع بخشی اور فیض رسانی پائی جاتی ہے لہٰذا یہ حق ہے پس اس حق کا از خود تدریجی طور پر غالب آنا بھی ایک طے شدہ امر ہے کیونکہ اسے انجام کار مشیت اللہ کے ساتھ سازگار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ لہٰذا اگر امتِ مسلمہ کے اربابِ فکر اور اصحابِ خلوص و اخلاص اس حقیت پر ایمان لا کر اس کے لیے دھیرے دھیرے اپنا کام جاری رکھیں تو ان شاء اللہ یہ نصب العین روز بروز خیر امکان سے نکل کر وجود و واقعیت کی بلند سے بلند تر سطح پر فائز ہوتا جائے گا۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیئے کہ انسانیت طوعاً و کرہاً قومیت و وطنیت کے تنگ دائروں سے نکل کر نوعِ انسانی کی وحدت اور وحدتِ قانون اور وحدتِ نظام اور وحدتِ نظامِ حکومت کی منزل کی طرف آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہے اور اب خود یورپی دانشور بھی اپنے ناکام تجارب کے بعد اسی حقیت کبریٰ کی طرف عناں کش ہیں جس کی جانب صدر میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ ان کارکنوں اور مفکرین کو جو کہ اسلام کی انقلابی قوت اور انقلابی اسلامی تحریک کے لیے علمی و عملی جدو جہد کر رہے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اسلام کو نظامِ حیات کے طور پر پیش کریں کیونکہ اسلام کا نزول ہی اس غایت کے حوالے سے ہوا ہے کہ انسانوں کی انفرادی و اجتماعی اور بین الاقوامی زندگیوں کے مسائل و مشکلات کو حل کر کے انسانوں کو انفرادی و اجتماعی اور بین الاقوامی حوالے سے امن و اطمینان اور سکون و راحت سے ہمکنار کیا جائے۔ لہٰذا اسلام کو ایک عملی نظامِ حیات کے طور پر پیش کرنا ہم سب کا فریضہ ہونا چاہیے۔ پھر وہ تمام قوتیں جو تقسیم کار کے طور پر مختلف دائروں، حلقوں اور میدانوں میں اسلام کے غلبہ و نفاذ کے لیے جدو جہد کر رہی ہیں ان کے کارکنوں اور قائدین کا اجتماعی اور انفرادی فریضہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی کوششوں کی قدر افزائی کریں۔ آپس میں یگانگت اور باہمی قربت و قرابت کے امکانات کو زیادہ سے زیادہ بڑھائیں اور ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی اور ایک دوسرے کی حوصلہ شکنی اور ناقدر شناسی کے رجحانات و میلانات کی حوصلہ شکنی کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارا یہ بھی فریضہ ہے کہ اتحاد بین المسلمین کے نصب العین کو ایک محسوس حقیقت بنانے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ

تعاون کریں۔ عالمِ اسلام کے دائروں میں قدیم اور جدید کے نام سے دشمنانِ اسلام نے جو خلیج پیدا کر رکھی ہے اسے پاٹنے کی کوشش کریں۔ مسٹر اور مولوی کو ایک دوسرے کے قریب لائیں اور اسی طرح سیاسی و مذہبی دائروں میں جو فرقے اور سیاسی پارٹیاں پیدا ہو چکی ہیں ان کے اندر سے اختلاف و افتراق کے عناصر اور جراثیم کو کم سے کم تر کرنے کی کوشش کریں۔ پھر علماء و صوفیاء کے حوالے سے جو الگ الگ حلقے ہیں ان کے مابین قرب و اقتراب پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح امتِ مسلمہ کا وہ افتراق کہ جس کے حوالے سے ہمیں ماضی میں دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں بہت زیادہ ہزیمتوں اور کٹھنائیوں سے دو چار ہونا پڑا ہے وہ اہلِ سنت اور اہلِ تشیع کا اختلاف ہے۔ اس اختلاف کو آج نہ صرف کم کرنے کے لیے حالات ساز گار ہو چکے ہیں بلکہ عالمی سطح پر ایسے مسلم قائدین اور مفکرین ظہور پذیر ہو چکے ہیں جنہوں نے اس خلیج کو پاٹنے میں شاندار فکری اور نظری خدمات انجام دی ہیں۔ لہٰذا ہمارا فریضہ ہے کہ ہم ان فکری و نظری خدمات کی دل و جان سے قدر کریں۔ لہٰذا اس حوالے سے قرب و اقتراب کے مواقع پیدا کریں۔ ہمارا اصل المیہ یہ ہے کہ ہم سے ہماری آزادی اور اسلامی نظامِ حیات استعمار نے اغوا کر لیے ہیں۔ عوام نے اسلام کے نام پر اسلامی نظامِ حیات کے لیے قربانیاں دی تھیں لیکن آزادی خواہ تحریکات کی قیادت یورپی استعمار کے قائم کردہ تعلیمی و ثقافتی اداروں میں ڈھل کر تیار ہوئی تھی۔ اس کی ذہنیت اور مزاج سیکولر تھا۔ اگرچہ زبانوں پر ان کے اسلام اور اسلامی نظام کا نام تھا۔

معاشرتی حوالے سے جو قوت آگے آگئی تھی یہ جاگیردار اور نوابوں کا طبقہ تھا، ان کی یہ جاگیرداریاں اور نوابیاں جو اب تک محفوظ تھیں تو اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ یہ لوگ اپنی وفاداریوں کا قبلہ و کعبہ یورپی استعمار کو مان چکے تھے۔ ان کے مفادات اور ان کی مراعات کا تحفظ یورپی نظام سے وابستہ ہو چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان بن گیا لیکن یہاں پر نبوی اسلام نافذ نہ ہو سکا۔ عوام کو عدل و احسان نہ مل سکا، ان میں اخوت قائم نہ کی جا سکی، عدالت و مساوات کے قیام کی منزل عوام سے ہر روز دور سے دور تر ہوتی گئی۔ کیونکہ یہاں جو سیاسی پارٹیاں تھیں خواہ ان کا تعلق حزبِ اختلاف سے تھا یا حزبِ اقتدار سے، ان سب

قیادتوں کا تعلق اس وڈیرہ شاہی مفادات پرست اور مراعات یافتہ طبقہ سے تھا، دستور پر دستور بنے، انتخابات پر انتخابات ہوئے اور مارشل پر مارشل لاء بھی لگے اور آخر میں اسلامائزیشن کا غلغلہ پاکستان سے اُٹھ کر برلن، لنڈن اور نیویارک تک جا پہنچا لیکن عوام کالأ نعام ہی رہے۔ مزدوروں کی سیاہ رات تک کسی بھی چاندنی کا گزر نہ ہوسکا۔ یہاں کی نوکر شاہی ہو یا دوسری اقتدار میں شریک ایجنسیاں ہوں ان سب کی تعلیم و تربیت یورپی استعمار کے تعلیمی و ثقافتی نمونوں کے مطابق ہوئی ہے۔ لہٰذا ان کے اندر اسلام اور مسلم عوام کسی کے ساتھ اخلاص موجود نہیں ہے البتہ یہ اپنے مفادات اور اقتدار کے تحفظ کے لیے اسلام اور مسلم عوام کا نام لینے اور ان کے نام اور ان کے حقوق کے تحفظ پر سیاست کرنے پر مجبور ہیں۔ کم از کم ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۰ء تک پاکستان میں ہم اس بات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہیں کہ یہاں کی قیادتیں نہ مسلم عوام کے ساتھ مخلص ہیں نہ اسلام کے ساتھ۔ لہٰذا اس مسئلہ کا حل ہے تو صرف ایک ایسی مسلم تحریک اور مسلم قیادت ہی ہے جو اسلام اور مسلم عوام کے ساتھ ہر حوالے سے مخلص ہو۔ وہ اسلام کا براہِ راست کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کے حوالے سے نہ صرف علم رکھتی ہو بلکہ حتی الامکان اس پر عامل بھی ہو۔ پھر اس کا اسلام نبوی اسلام ہو یعنی وہ اسلام جو ہر نوع غلامی کے لیے موت ہو جو ہر طرح کی خواجگی کے لیے موت ہو، جس میں عوام کے لیے اخوت، مواخات، عدالت و مساوات کا ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کی اساس پر اہتمام کیا گیا ہو یعنی اُمت مسلمہ کی نجات اس عوامی انقلاب میں ہے جس کا مقصود اخوت، عدالت اور مساوات کا قیام ہو جس کی قیادت کا راستہ جہاد ہو جس کا مقصد شہادت ہو اور منتہائے جہاد اسلام کے انقلاب کو عملی طور پر ایک زندہ حقیقت بنانا ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہو

قاضی ابوسلمان، لاہور

یورپین نظامِ تعلیم و ثقافت کو سمجھنے کے لیے ایک عظیم اقتباس

سر چارلس ٹریولیئن (Sir Charles trevelyan) ولارڈ میکالے کا رشتہ دار تھا۔ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں ایک کلرک کی حیثیت سے ملازم ہوا تھا اور بعد میں صرف ذاتی قابلیت کی بناء پر ترقی کرتے کرتے مدراس کا گورنر ہو گیا۔ اس نے ایجوکیشن انکوائری کمیٹی کے کنوینر کی حیثیت سے ۱۸۳۸ء میں (Education of India People) کے نام سے ایک رپورٹ پیش کی۔ اس رپورٹ کے باب ہفتم کا عنوان ہے (ہندوستانی نظامِ تعلیم کے سیاسی رجحانات) اس نے جو کچھ اس عنوان کے تحت لکھا ہے اس کے اس اقتباس کا ترجمہ یہاں درج کیا جا رہا ہے:

''مسلمانوں کا نظامِ تعلیم طاقت، فخر و مباہات اور جوشِ عزائم پر مبنی ہے۔ اقتدار کی ہوس اور لذائذِ جسمانی مذہب کی تائید میں لائے جاتے ہیں۔ کرۂ ارض مومنین کی میراث ہے۔ ان کے علاوہ سب کافر اور غاصب ہیں، جن سے بجز سیاسی مقتضیات کے کوئی روابط نہیں رکھے جا سکتے۔ تمام ملک با اختیار خداوندی مسلمانوں کی مِلک ہے۔ ہندوؤں کا نظامِ تعلیم اگرچہ کم خوفناک اور کم متشددانہ نہیں بلکہ اس سے زیادہ مانع اور محدود ہے۔ اس کی رو سے تمام غیر ہندو، برادری سے خارج ہیں اور صرف ارذل (ذلیل و حقیر) ترین کاموں کے لائق ہیں اور کسی طرح حکومت کے ان کاموں کے لائق نہیں جو برہمنوں کی ہدایت میں فوجیوں کے لیے مخصوص ہیں۔ عربی اور سنسکرت نظام ہائے تعلیم کے یہ میلانات ہیں جو ہماری خوش بختی سے اپنی پوری قوت کے ساتھ بہت مشکل زبانوں میں لکھی ہوئی کتابوں اور چند علماء کے ذہنوں میں بند ہیں، جو شاذونادر ہی نہایت مضمحل انداز میں لوگوں کے جذبات میں جھلکتے ہیں، لیکن اس نظامِ تعلیم کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو ان کو دوبارہ زندہ کر دے، تازہ کر دے اور مسلمانوں کو مستقل

طور پر یاد دلاتا رہے کہ وہ کافر ہم (انگریز) ہی ہیں جنہوں نے مومنوں کو ان کی بہترین سلطنت سے محروم کیا ہے اور ہندوؤں کو یہ احساس دلاتا رہے کہ ہم ہی وہ نجس درندے ہیں جن سے کسی قسم کے دوستانہ روابط رکھنا گناہ اور شرم کی بات ہے۔ ہمارے بدترین دشمن اس سے زیادہ خواہش نہ کر سکتے تھے کہ ہم ایسے نظام ہائے تعلیم کو پھیلائیں جو خود ہمارے ہی خلاف فطرت انسانی کے شدید ترین جذبات کو مشتعل کر دیں۔

جب تک دیسی لوگ اپنی گذشتہ آزادی پر کُڑھتے رہیں گے، اپنے احوال کو بہتر بنانے کے لیے ان کی ایک ہی تدبیر ہو گی کہ وہ اس ملک سے انگریزوں کو بہ تمام و کمال جبراً نکال دیں۔ اُن کے اعلیٰ اور ادنیٰ، دولت مند اور مفلس اپنے حالات کو بہتر بنانے کا ایک ہی تصور رکھتے تھے۔ اعلیٰ طبقہ اس اُمید پر زندگی بسر کرتا تھا کہ وہ اپنی عظمت رفتہ کو دوبارہ حاصل کر لے گا اور ان کا نچلا طبقہ یہ اُمید کرتا تھا کہ ان کے ملکی اقتدار کے دوبارہ قیام پر دولت و امتیاز کی راہیں ان پر پھر کھل جائیں گی۔ حتیٰ کہ زیادہ باشعور اور نسبتاً بہتر اثر قبول کرنے والے دیسی بھی اس بات کا کوئی تصور نہ رکھتے تھے کہ ان کی اس بدحالی کو رفع کرنے کا، انگریزوں کو جبراً پوری طرح سے نکال دینے کے سوا کوئی اور طریقہ بھی ہو سکتا ہے۔

صرف یورپی تصورات سے ان کو گرما کر ہی یہ ممکن ہے کہ ان کے قومی نظریات کو ایک نیا رخ دیا جا سکے۔ جن نوجوانوں کی تربیت ہمارے تعلیمی مرکزوں میں ہوئی ہے وہ نہایت تحقیر کے ساتھ مطلق العنانی کی اس بربریت کو پھر کر دیکھتے ہیں جن کے تحت ان کے اسلاف کراہتے رہے تھے اور انگریزی طرز کے ان قومی اداروں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور ہمیں ناپسند کرنے کی بجائے ہمارے ساتھ رہنے کو پسند کرتے ہیں اور ہمیں اپنا فطری محافظ سمجھتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی آرزو ہمارے مشابہ ہو جانا ہے اور ہماری رہنمائی میں اپنے ہم وطنوں کے کردار کو بلند کرنے اور بتدریج ایک پرلطف اور منظم اور اس لیے ایک محفوظ اور پرمسرت آزادی کے حصول کی توقع رکھتے ہیں اور ہم انگریزوں کو غیر سمجھنے اور ہمارے گلے کاٹنے کے بجائے وہ اس بات کی امنگ رکھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ عدالتِ عالیہ یا مجسٹریٹوں کی کرسی پر

بیٹھ کر فیصلے کریں اور پنجاب یا نیپال کی سیاست پر سوچنے کی بجائے وہ اپنی مجالس مذاکرہ میں جو انہوں نے آپس میں قائم کر لی ہیں، مطبع کے فوائد اور آزادیٔ گفتار پر خطیبانہ انگریزی تقریروں میں مباحثے کرتے رہیں۔

انگریزی ادب کی روح، انگریزوں سے روابط پیدا کرنے میں انتہائی موافق اثرات پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتی۔ ہمارے ادب کے ذریعے ہندی نوجوانوں کی ہم سے بے تکلف جان پہچان کا اثر یہ ہوگا کہ وہ ہمیں غیر ملکی سمجھنا چھوڑ دیں گے۔ وہ ہمارے اکابر کا ذکر اسی جوش وخروش کے ساتھ کریں گے جس طرح ہم کرتے ہیں اور ہمارے ہی طریقہ پر تعلیم پا کر ہمارے ہی ساتھ ہمارے مشاغل میں دلچسپی لے کر ہمارے ہی مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد کر کے وہ ہندوؤں سے زیادہ بالکل اس طرح انگریز بن جاتے ہیں جس طرح رومن صوبوں کے لوگ اطالویوں اور فرانسیسیوں سے زیادہ رومن بن گئے تھے۔ آخر وہ کیا چیز ہے جو ہمیں وہ بناتی ہے جو ہم ہیں بجز اس کے کہ ہم انگریزوں کے ساتھ رہتے ہیں ، انگریزی بولنے میں اور انگریزی الف وعادات اختیار کرتے ہیں۔ وہ روزانہ بہترین دل و ذہن رکھنے والے انگریزوں سے ان کی تصانیف کی معرفت تبادلہ خیال کر کے ہماری قوم کی نسبت شاید اس سے کہیں زیادہ اچھی رائے قائم کرتے ہیں جیسی وہ انگریزوں سے بالمشافہ بات چیت کر کے قائم کرتے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ہم ہندوستان کے مفادات کو اپنے نظم ونسق کے ذرائع میں کیسے محفوظ رکھتے ہیں اور وہ متشدد دشمنوں کے بجائے ہمارے ذہین اور جوشیلے مددگار ومعاون بن جاتے ہیں۔

انگلستان اور ہند جیسے دور دراز ممالک کے درمیان موجودہ تعلق کا دائمی اور مستقل ہونا حقیقت کے منافی ہے۔ کسی کوشش وتدبیر سے اور کسی حکمتِ عملی سے ملکیوں کو انجام کار اپنی آزادی کے حصول سے روک دینا ممکن نہیں۔ لیکن اسے حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں، ایک انقلاب کے ذریعے دوسرے اصلاح کے ذریعے۔ ایک میں ارتقائی حرکت فوری اور متشددانہ ہوگی، دوسرے میں تدریجی اور پرامن۔ ایک لازمی طور پر ملکیوں کے اور ہمارے درمیان کامل

ذہنی بیگانگی اور بیزاری پر منتج ہوگا، دوسرا دائمی دوستی، باہمی نفع بخشی اور خیر خواہی پر، ناپسندیدہ نتائج کو روکنے اور پسندیدہ نتائج کو حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم ملکیوں کو یورپی انداز کی ترقی کے حصول میں مصروف کر دیں۔ ایسا کرنے سے وہ قدیم ہندی بنیادوں پر آزادی حاصل کرنے سے دست بردار ہو جائیں گے، اس صورت میں فوری تبدیلی تو ناممکن ہو گی مگر ہند سے ہمارا موجودہ تعلق تادیر قائم رہے گا اور ہمارا موجودہ تعلق پہلے سے زیادہ یقینی ہو جائے گا۔ لوگوں کو یورپی نمونے کے سیلف گورنمنٹ کے لیے تیار کرنے کے لیے ایک صدی بمشکل کافی ہوگی۔ کسی قوم کی سیاسی تربیت کے لیے بہت طویل مدت درکار ہے اور جب تک یہ مُدعا پورا ہو ہم تا حد امکان محفوظ رہیں گے اور ہماری رعایا میں کوئی طبقہ ایسا نہیں ہوگا جن کے لیے ہمارا وجود اتنا ضروری ہو جتنا ان لوگوں کے لیے جن کے خیالات انگریزی نمونے پر ڈھل گئے ہوں گے۔ یہ جماعت تعداد میں ابھی بہت کم ہے لیکن اس اقلیت میں برابر ان نوجوانوں کا اضافہ ہو رہا ہے جنہوں نے ہمارے مرکزوں میں تربیت پائی ہے۔ کچھ عرصے میں یہ اقلیت اکثریت بن جائے گی، اس وقت یہ ضروری ہوگا کہ لوگوں کی ترقی یافتہ ذہانت اور ان میں سیلف گورنمنٹ کی استعداد کے پیش نظر ہم اپنے سیاسی اداروں میں تبدیلی پیدا کریں۔ اس طرح تدریجاً اور پُر امن طریقے پر تغیر پیدا ہو جائے گا اور جانبین کی طرف سے کوئی جدو جہد ایک دوسرے کو بیزار کرنے کی نہیں ہوگی اور اس طرح دیسی لوگ پہلے آزادی کا پسندیدہ استعمال سیکھ لیں گے پھر آزادی حاصل کریں گے اور اپنی نفع بخش رعایا کو اس سے بھی زیادہ نفع بخش حلیفوں میں تبدیل کر لیں گے۔ موجودہ انتظامی تعلق سے صرف بعض برطانوی خاندانوں کا بھلا ہوتا ہے، دنیا بھر میں اول درجے کے صنعتی اور اول درجے کے زرعی ملکوں کے مابین خالص تجارتی اتحاد سے پوری برطانوی قوم کی قوت اور فارغ البالی کی نہایت مستحکم بنیادیں استوار ہوں گی اگر یہ راہ اختیار کی گئی تو کوئی علیحدگی واقعہ ہوگی ہی نہیں، ایک خطرناک اور عارضی تعلق ایک بالکل مختلف اور بہت ہی پائیدار تعلق میں بالکل ہی نامحسوس انداز سے تبدیل ہو جائے گا۔

ہمارے ہاتھوں سے مسرت اور آزادی کی تربیت پا کر ہمارے علوم اور سیاسی اداروں سے مستفید ہو کر برطانوی احسان کے سب سے زیادہ قابلِ فخر نمونے کی حیثیت سے ہندوستان باقی رہے گا اور یہاں کے لوگوں کی محبانہ وابستگی اور ان کے ملک سے عظیم الشان روابط کی صورت میں ہم عرصۂ دراز تک اپنی فراخدلانہ پالیسی اور روشن حکمت عملی کا پھل پاتے رہیں گے جس نے اس طرزِ عمل کی طرف ہماری راہنمائی کی تھی۔ اس راہ کو اختیار کرنے میں ہم کوئی نیا تجربہ نہیں کر رہے ہوں گے، رومیوں نے فی الفور یورپی قوموں کو مہذب بنا دیا اور انہیں رومیوں کے رنگ میں رنگ کر اپنی حکومت سے وابستہ کر کے بالفاظِ دیگر ان کو رومی ادب اور رومی فنون کی تعلیم دے کر فاتحوں کی نقل اور اتباع کی تربیت دے کر اپنا لیا اور جو مقبوضات جنگی غلبے سے حاصل کیے گئے تھے، فنونِ امن کی برتری سے مستحکم ہو گئے اور ابتدائی مظالم اور شواہد کی یاد بعد میں پیدا ہونے والے فوائد میں فراموش کر دی گئی۔ اطالیہ، اندلس، افریقہ اور فرانس کے صوبوں میں رومیوں کے اتباع میں، ان کی نعمتوں میں ان کے ساتھ شریک ہونے کے سوا کوئی آرزو باقی نہ رہ گئی تھی۔ وہ سب تادمِ آخر ان کی حکومت کے مطیع و منقاد رعایا کی حیثیت سے وابستہ رہے اور یہ اتحاد اندرونی بغاوت سے نہیں بیرونی تشدد کی وجہ سے اُس وقت ختم ہوا جب فاتح اور مفتوح دونوں ایک ہی ابتلاء کا شکار ہو گئے۔ ہندوستانیوں کو بہت جلد ہم سے وہی نسبت ہو جائے گی جو ہمیں رومیوں سے تھی۔ ٹیٹیس (Tacitus) ہمیں بتاتا ہے کہ جولیئس اگریکولا (Julius Agricola) کی برطانیہ کے سرداروں کی اولاد کو رومی ادب اور رومی علوم کی تعلیم دینے اور ان میں رومی تہذیب و شائستگی کا ذوق پیدا کر دینے کی حکمتِ عملی یہی تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ کس قدر مفید ثابت ہوئی، برطانوی لوگ سرکش دشمنوں کی بجائے معتمد دوست بن گئے اور ان کے بزرگوں نے رومیوں کے آنے کی اتنی مزاحمت نہ کی جتنی برطانویوں نے رومیوں کے جانے کی مزاحمت کی۔ یہ بات ہمارے لیے بڑی ہی شرمناک ہو گی اگر بہت ہی اعلیٰ فوائد کی بنیاد پر ہم بھی اپنی قبل از وقت روانگی کو ہندوستانیوں کے لیے ایسی خوفناک مصیبت نہ بنا دیں۔ ہندو مذہب ایسا نہیں جو آزمائش پر پورا اتر سکے جسے شہادت یا

دلیل کہا جاتا ہے، اسے یہ مذہب اس درجہ بے تعلق اور اس حد تک بے شمار شدید بداخلاقیوں اور طبعی خرافات سے وابستہ ہو گیا ہے کہ یہ یورپی علوم کے سامنے اپنی ہستی کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ اسلام اس سے زیادہ سخت جان ہے، اس کے باوجود ایک مسلم نوجوان جس نے انگریزی تعلیم پائی ہے اس شخص سے جس نے اپنے باپ دادا کے طریق کامل پر تعلیم پائی تھی بہت ہی مختلف طرز کا انسان ہے۔ جیسے جیسے یہ تغیر بڑھتا جائے گا، ہندوستان بالکل ایک اور ہی ملک بن جائے گا اور اشتعال پذیر مذہبی جذبات کا نام بھی سننے میں نہ آئے گا۔

تاثرات ومشاہدات

یہ طویل ترین اقتباس جو پیشِ خدمت کیا گیا ہے یہ حضرت الاستاذ ترجمانِ انقلاب قرآن حکیم العصر (Philosopher of the Age) علامہ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مدظلہ تعالیٰ کی کتاب قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل سے لیا گیا ہے۔ یہ کتاب ادارۂ ثقافت اسلامیہ کے لیے ڈائریکٹر برادرِ موقر جناب سراج منیرؒ کے حسنِ اہتمام ومساعی سے زیورطبع سے آراستہ ہوکر ظہور پذیر ہوئی ہے۔ یہ کتاب زندگی وتابندگی کے انمول حقائق کا ایسا مخزن ہے جو رہتی دنیا تک مسلمان قائدین ومفکرین کے لیے مینارِ نگہبانی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا۔ ہماری اپنے معزز قارئین سے پرزور اپیل ہے کہ وہ اس کتاب کو اول سے آخر تک بار بار پڑھیں تاکہ ان کے قلوب واذہان میں موجودہ ایمان ویقین میں اور زیادہ اضافہ ہو، شکوک وشبہات کا قلع قمع ہو اور دشمنانِ اسلام کی پھیلائی ہوئی ظلمات سے نکلنے کے لیے انہیں سبیل الرشاد کی رہنمائی حاصل ہو سکے۔

یہ ایک اقتباس اپنے مفاہیم اور مدلولات میں اس قدر واضح اور دوٹوک ہے کہ اس پر مزید کسی حاشیہ آرائی کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس اقتباس کو اگر ہوش وتدبّر کے ساتھ پڑھا جائے تو کئی ایک سوالات کا بہت یقینی جواب حاصل ہوتا ہے مثلاً یہ کہ:

1. ہندوستان کی آزادی کا اصل راز کیا ہے؟......
2. ہندو پاک میں انتقالِ اقتدار کس طبقہ کے سپرد کرنا مطلوب تھا اور کیوں؟......
3. انتقالِ اقتدار کے بعد آزاد کنندہ اور آزادی یافتہ ممالک میں کس نوعیت کے ادارے اور کس نوعیت کے تعلقات اور روابط کو قائم ومستحکم کرنا مطلوب تھا اور ہے؟......
4. برطانوی سامراج نے پہلے ہی دن سے اپنے ماتحت علاقوں کو ایک وقتِ خاص تک اور ایک مخصوص نصب العین کے ماتحت ایک مخصوص حکمران طبقے کو ہندو اور مسلمان علاقوں

کی صورت میں انتقالِ اقتدار کا منصوبہ بنایا تھا اور اسی منصوبے پر ۱۹۴۷ء میں پاک و ہند کے علاقوں کو ظاہری طور پر آزاد کر کے لیکن باطنی و معنوی طور پر ابدالآباد کے لیے اس نے اپنا محکوم ومحتاج بنالیا ہے۔

۵ ہماری یہ نام نہاد آزادی دراصل ہماری ثقافتی وتہذیبی غلامی ومحتاجی کا نقطۂ آغاز تھا اور اب آئندہ کے لیے ان کا منصوبہ یہ تھا خود کہ مسلمان حکمرانوں کے ہاتھوں سے اسلامی تہذیب وثقافت کو زیادہ سے زیادہ پامال و پژمردہ کر دیا جائے اور اس کے لئے افراد کے افکار، ایمان اور اخلاق کے دوائر میں بگاڑ وفساد پیدا کیا جائے۔ معاشرہ کے تہذیبی وثقافتی، معاشی ومعاشرتی اور سیاسی وریاستی اداروں کو الحاد و دہریت اور دین و دنیا کی ثنویت پر استوار کر کے مسلمان ملت کو اپنے شاندار ماضی سے کاٹ دیا جائے، تاکہ اس طرح یہ ملت کٹی ہوئی پتنگ کی طرح جب تک بھی ہوا میں معلّق رہے زمین پر گرنے اور گر کر اپنے وجود کے پاش پاش ہو جانے کے خطرات سے ہر وقت دوچار رہے اور اس طرح خوف وحزن کے جذبات ووساوس سے اپنی مضبوط گرفت میں رکھ کر اسے بالکلیہ تہی دامن رکھیں۔

۶ اگر کبھی اس کے اندر ملّی آلام کا احساس پیدا ہو اور ان سے نجات پانے کی امنگ کبھی اس کے اندر کروٹ لینے لگے تو وہ ان آلام کے تدارک اور ان امراض سے شفا پانے کے لیے بھی اپنے دشمنوں ہی سے نجات وسعادت کے حصول کی متمنی ہو۔ یہ ملّت پارلیمانی جمہوریت کی دلدادگی کے پیشِ نظر کبھی ایک مُترف پارٹی کو اپنے لیے نجات دہندہ مانے اور کبھی دوسری کو حالانکہ یہ سب پارٹیاں اپنی اساس و بنیاد سے لے کر اوپری ڈھانچہ تک یورپی قلب وقالب کی پروردہ ہیں اور اسلامی اصولِ سیاست اور نظریہ اجتماعیت اور رفاہیت بالغہ کے افکار وتصورات سے کوسوں دور ہیں۔

۷ ہمارے ان ممالک پر اکثر و بیشتر آمریت ومطلق العنانیت کا تسلط رہتا ہے حالانکہ آمریت ومطلق العنانیت کو یورپی مفکرین وقائدین انتہائی ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں لیکن ہمارے ہاں ان نظامہائے حکومت کو یہ یورپی طاقتیں خوب مضبوط ومستحکم کرتی ہیں

کیونکہ وہ ان حکمرانوں کے ذریعے ہمارے وسائل کا استحصال اور ہماری تہذیب و ثقافت کی تباہی و بربادی بہتر اور منظم طریقے پر کر سکنے میں بہتر طور پر کامیاب ہو سکتی ہیں۔

۸ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ان مسلمان ممالک میں اس نام نہاد آزادی کے بعد یورپی افکار و تصوّرات اور لادینی و دہریانہ نظامہائے معیشت و معاشرت کا جس قدر رواج ہوا ہے اور جس طرح اجتماعی طور پر دین سے بغاوت و انحراف نوجوان نسل ہی میں نہیں بلکہ بوڑھے مردوں اور عورتوں تک کو یورپی بے حیائی و عریانیت کا جو سیلابِ بلاء اپنے ساتھ بہالے گیا ہے اس کا عشرِ عشیر بھی سابقہ براہِ راست دورِ غلامی میں نہیں ہوا۔

۹ اگرچہ اس نام نہاد آزادی کے دور میں مسجدیں پہلے سے زیادہ آب و تاب والی ہو گئی ہیں لیکن ان مساجد میں نوجوان نسل کی شمولیت و شراکت صرف جمعہ و عیدین کے اجتماعات تک محدود ہے۔

۱۰ لیکن یورپی طرز اور نمونے پر چلنے والے تعلیمی و ثقافتی اداروں کی زینت و زیبائش تمام تر ہماری اس نوجوان نسل کی شرکت و شراکت ہی سے قائم و دائم ہے۔

غرضیکہ یہ اقتباس اپنے اندر عبرت و موعظت کے لاتعداد پہلو رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر غور و خوض کرنے اور پھر ان یورپی مفاسد کا سدِّ باب کرنے کی ہمیں توفیق عنایت فرمائے۔

یاد رہے کہ یورپی مفاسد کا سدِّ باب وعظ و ارشاد کے حوالوں یا ذریعوں سے نہیں ہو گا بلکہ اس کے لیے بلادِ اسلامیہ پر مسلط یورپی نظامِ کفر و ظلم کا شعور و ادراک حاصل کر کے، پھر اسے جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر اور اس کی جگہ پر اسلام کے کلی نظام اجتماعیت و رفاہیت بالغہ کو زندگی کے تمام پہلوؤں پر اس کا نفاذ کر کے ہی ممکن ہو سکے گا اور اس کے لیے اپنے رسولِ پاک ﷺ کے اسوۂ کمال اور اصحابِ رسول ﷺ کے جماعتی و اجتماعی ورثہ سے اپنے قلوب و اذہان کو علمی و عملی، انفرادی و اجتماعی اور پھر ریاستی و بین الاقوامی حوالوں سے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایتِ کاملہ سے منور کرنا ہو گا۔

والسلام

پُکار

اُمت محمد یہ کے ہر صاحب اخلاص، با وفا مسلمان بھائی کے نام!

نیز عالم اسلامی کے تمام قائدین اور بالخصوص عالمِ عرب کے قائدین اور مفکرین کے نام!

آج چاروں طرف ہمارے دشمن بہ بانگِ دہل کہہ رہے ہیں کہ اسلام کو تباہ و برباد کر دینا، ان کے لیے ناگزیر ہے کیونکہ یہ اسلام ہی ہے جو مسلمانوں کی قوت و طاقت کا صحیح معنوں میں سر چشمہ ہے، لہٰذا اگر اسے صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا جائے تو وہ نہ صرف تمام مسلمانوں کو اپنا محکوم بنا سکتے ہیں بلکہ وہ انہیں ہمیشہ کے لیے اپنے غلبہ و تسلط میں رہنے پر مجبور بھی کر سکتے ہیں۔ اسلام دشمنانِ اسلام کے لیے ایک ایسا خوفناک بھوت بن چکا ہے کہ جس کو تباہ و برباد کیے بغیر وہ اپنی قوت کو یکجا نہیں کر سکتے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر اس خوفناک بھوت کا قلع قمع نہ کیا گیا تو یہ بھوت انہیں نگل جائے گا۔

اے معزز قائدین و مفکرین! آپ یہ سب کچھ دیکھ لینے اور سن چکنے کے باوجود اس کے سدِ باب کے لیے کیا کر رہے ہیں؟...... ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری قوت کا راز اسلام میں پوشیدہ ہے اور اس کے توسط سے ہم پوری دنیا پر چھا سکتے ہیں۔ یہ صرف ہمارا ہی دعویٰ نہیں ہے بلکہ عالمِ کفر کے اہل علم، رجالِ سیاست اور خبر و نظر رکھنے والے اصحاب کی بھی یہی پختہ رائے ہے۔ اب اس کے بعد ہمارے متردد رہنے کی آخر گنجائش کہاں رہ جاتی ہے...... لہٰذا آیئے!...... ہم صدقِ دل کے ساتھ عہد کریں کہ ہم اپنی عزت اور کرامت کے اس ذریعے (اسلام) کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں گے اور اس کے خلاف محاذ آرائی کی پالیسی جو ہم نے اب تک اختیار کر رکھی ہے اسے بالکل ترک کر دیں گے، کیونکہ اسلام کے خلاف محاذ آرائی ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب کے نزول کا سبب بھی بن سکتی ہے، لیکن اسلام کا ساتھ دینے

والے اہل ایمان کا غالب و منصور ہو جانا لازم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس امر کو اپنے لیے لازم ٹھہرا چکا ہے جس کا واضح بیان ہمیں رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پاک میں ملتا ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

- میری امت میں ایک وقتِ خاص تک نبوت رہے گی اور پھر اسے اللہ تعالیٰ اُٹھا لیں گے۔
- پھر نبوت کے بعد رسالت کے نمونے اور طریقے پر خلافت راشدہ قائم ہوگی اور یہ بھی جب تک اللہ چاہیں گے میری اُمت میں برقرار رہے گی، پھر اسے بھی اُٹھالیا جائے گا۔
- اس کے بعد میری اُمت میں ملکِ عضوض (موروثی بادشاہت) کا دور دورہ ہوگا اور یہ بھی اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے پھر اسے بھی اُٹھالیا جائے گا۔
- اس کے بعد جبریت (Dictatorship) قائم ہوگی اور یہ بھی اس وقت خاص تک رہے گی جب تک اللہ توالیٰ چاہیں گے، پھر اسے بھی اُٹھالیا جائے گا۔
- پھر اس کے بعد دوبارہ رسالت کے نمونے اور طریقے پر خلافت راشدہ قائم ہوگی اور یہ تمام روئے زمین پر چھا جائے گی۔

پس اے عالمِ اسلام کے حکمرانو!...... اور اے سیادت و قیادت کے منصب پر فائز مسلمان بھائیو!...... اور خاص طور پر اے عالمِ عرب کے حکمرانو اور اے عالمِ عرب کے مفکرین و قائدین حضرات! آیئے!...... ہم سب مل کر عہد کریں کہ ہم اسلام کے دشمن بننے کی بجائے اسلام کے معاون و مددگار بنیں گے، کیونکہ اس طرح نہ صرف ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا مقام حاصل ہوگا بلکہ اس کے نتیجے میں روئے زمین کے تمام عدل و انصاف پرور اور اصحابِ خیر لوگوں کی حمایت و نصرت بھی ہمیں حاصل ہو جائے گی اور پھر آخر کار تمام مسلم اقوام اور تمام مسلم عوام بھی چاروں طرف سے تمہاری قیادت کے پرچم تلے جوق در جوق اکٹھے ہو جائیں گے اور اس طرح ہم تمام مسلمان ایک بین الاقوامی اور عظیم الشان انقلاب کی جانب پیش قدمی کر سکیں گے اور اس طرح تمہاری راہنمائی اور قیادت میں چشمِ تاریخ کو ایک

دفعہ دوبارہ وہ چیز دیکھنی نصیب ہوگی جس کا وہ پہلے بھی ایک بار نظارہ کر چکی ہے۔

اے واجب الاحترام مسلمان حکمرانو!...... رسول اللہ ﷺ قریش کو جب اپنے ساتھ مل جانے کی دعوت دیا کرتے تھے تو آپ ﷺ اکثر قریش کے قائدین سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں تو تمام روئے زمین کا انہیں والی و وارث بنا دیا جائے گا پھر جنہوں نے آپ ﷺ کی اس دعوت کا انکار کیا وہ آخر کار اسلام کے عدل پرور اور اخوت و مساوات خیز جنود وعساکر کے پاؤں تلے ذلت کی موت مر گئے اور اسلام کے وہ عدل پرور جنود وعساکر فاتح و منصور بن کر پوری روئے زمین پر چھا گئے۔ اگر چہ معاندین و مخالفین اسلام کو تاریخ میں حصہ تو ملا لیکن کیسا اور کہاں کا حصہ...... تاریخ نے انہیں اپنے بدترین صفحات اور غلیظ ترین مقامات پر جا بٹھایا اور قیامت کے دن تک اللہ کے نیک بندے بھی ان سے اپنی نفرت کا اظہار کرتے رہیں گے اور پھر آخرت کا عذاب تو اس حیاتِ دنیا کی ناکامیوں، نامرادیوں اور لعنتوں سے کہیں زیادہ سخت اور بدتر ہوگا۔

اللہ کے محبوب رسول ﷺ نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے کہ ہمارا دین (اسلام) تمام روئے زمین پر پھیل کر رہے گا۔ بلاشک ایسا ہی ہوگا۔ اللہ کے وعدوں اور رسول مقبول ﷺ کی پیش گویوں کے بموجب دین اسلام یقیناً تمام روئے زمین پر چھا جائے گا۔ پس اے ہمارے واجب الاحترام مسلمان حکمرانو!......

آپ اپنے آپ کو ان لوگوں سے الگ تھلگ کر لیں کہ جنہیں کل تاریخ ذلیل و رسوا کر کے ابدالآباد کے لیے ملعون ٹھہرانے والی ہے اور اس کے برعکس آپ اپنے آپ کو اس منصور جماعت کے ساتھ شامل کر لیں کہ جس کا ذکرِ جمیل ہمیشہ کے لیے صفحہ تاریخ پر رہ جانے والا ہے۔

﴿ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [یوسف: ۱۲/۲۱]

''اللہ اپنے پروگراموں کو پائے تکمیل تک پہنچانے کی پوری پوری قدرت و طاقت رکھتا ہے۔ اگر چہ لوگوں کی اکثریت اس امر کو حقیقت کے طور پر نہیں جانتی۔''

دشمنانِ اسلام کا بُغض و کینہ

یورپ (مغرب) اور مسلم اقوام کے مابین پائے جانے والے تعلقات کی تاریخ صدیوں پر محیط ہے۔ جس شخص نے بھی اس تاریخ کو ذرا گہرائی میں اُتر کر پڑھا ہے اس سے وہ زہریلا بغض و کینہ چھپا نہیں رہ سکتا جس نے جنون کی حد تک یورپ (مغرب) کے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔ مزید برآں یہ کہ اس زہریلے بغض و کینہ کے ساتھ ساتھ یورپ کے دل و دماغ اور اس کی نفسیات میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں زبردست خوف اور دہشت کے جذبات و احساسات پائے جاتے ہیں۔ اب اگر وہ بُغض و کینہ اور یہ خوف و دہشت کی نفسیات ایک انفرادی احساس و شعور کی حد تک افراد کے ہاں پائے جاتے تو پھر بھی ہمیں ان کے بارے میں کسی طرح کی پریشانی سے دوچار ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ یورپ (مغرب) میں اسلام اور عالمِ اسلام کے بارے میں جتنے بھی سیاسی یا اقتصادی نقطۂ ہائے نظر پائے جاتے ہیں ان کی تشکیل و تکوین کے جتنے بھی اسباب و عوامل پائے جاتے ہیں ان میں اس زہریلے بغض و کینے اور خوف و دہشت کی اس نفسیات کو مرکزی و بنیادی مقام حاصل ہے بلکہ یہی چیزیں ان افکار و تصوّرات کی تشکیل پذیری سے لے کر انہیں مزید واضح سے واضح تر بنانے میں اور انہیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک خاص سمت اور رُخ پر لگانے میں یہ مرکزی کردار انجام دے رہی ہیں۔ لہٰذا یورپ کے بارے میں ہمارے نقطۂ نظر کو بھی اس حوالے سے لازماً جوابی عمل کے طور پر واضح اور فیصلہ کن صورت اختیار کرنی چاہیے۔ آنے والے صفحات میں قارئین یورپی قائدین و مفکّرین کے اپنے اقوال و تحریروں سے اس امر کو روزِ روشن کی طرح جان لیں گے کہ یورپی انسان اور اس کی تہذیب و تمدن کے جتنے بھی گوناگوں شعبے پہلو یا نقطۂ ہائے نظر ہیں ان میں قومی و سیاسی اختلاف و تنوع کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کے بارے دشمنی اور عناد میں یہ سب لوگ مشترک ہیں یعنی یہ

تمام افراد، اقوام اور ان کی حکومتیں ایک چیز پر مکمل طور پر متفق ہیں کہ اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے دن رات جد و جہد کرنے کی بے پناہ ضرورت ہے اور یہ لوگ انتہائی بے رحمی کے ساتھ مسلم عوام اور اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے اور انہیں بے دست و پا کرنے میں کسی طرح کی غفلت یا تساہل سے کام لینے کے بالکل روادار نہیں ہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کیلئے جنوبی صلیبیوں کا جوش و خروش:

ان اقوام اور ان کے حکمرانوں نے اسلام اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے صلیبی جنگوں کے دوران سر دھڑ کی بازی لگا دی لیکن ان کے ان لکھوکھا لشکروں کو انجامِ کار مسلم ممالک پر اپنی اس چڑھائی اور حملوں میں سوائے ذلت و رسوائی اور پسپائی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ ان مسلسل پسپائیوں نے آخر کار انہیں سوچنے اور اپنی اس جنگجویانہ حکمتِ عملی کو تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا۔ حکمتِ عملی کی اس تبدیلی کے نتیجے میں یورپ میں نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کا آغاز ہوا اور اس طرح ایک نئے اسلوب و انداز سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کے ہاں منصوبہ بندی کی جانے لگی تاکہ یورپ والے بہتر، بھرپور اور فیصلہ کن انداز میں اسلام اور مسلم ممالک اور ان کے عوام اور حکمرانوں پر تازہ دم فوجوں اور نت نئے لیکن پُر فریب افکار و تصوّرات سے حملہ آور ہو سکیں۔ اور ان کی اس تمام تگ و دو کا مقصد اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کو دین سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ جب یورپی فوجی جنگی لباس زیب تن کر کے مسلمان ممالک کو اپنی نو آبادیاں بنانے کے لیے بلادِ اسلامیہ کا رخ کرتے تھے تو وہ اپنی ماؤں سے رخصت طلب کرنے کے دوران بڑی بلند آواز کے ساتھ اس طرح کے کلمات دہرایا کرتے تھے:

> ''اے میری پیاری ماں! ...... اے میری پیاری ماں! ...... ذرا مجھے دیکھ اپنی اس دُعا کو مختصر کر دے ...... اب اس آہ و بکا کو بند کر دے۔ ذرا دیکھ تو سہی تیرا یہ پیارا بیٹا اس وقت کس لباس میں ملبوس ہے اور کس ارادے اور کس نیت کے ساتھ اور کن کو تباہ و برباد کرنے کے لیے فرحاں و شاداں تیرے سامنے رخصت طلب کرنے اور تجھے

الوداعی سلام کہنے اور تیرے قدم چومنے کے لیے تیرے حضور حاضر ہے۔اے ماں!...... میں طرابلس کی طرف جا رہا ہوں تو جانتی ہے کہ وہاں کون سی ملعون اُمت رہتی ہے۔سُن اے میری ماں!...... کہ میں اس ملعون امت کو نیست و نابود کرنے کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دوں گا اور اس مقصد کے لیے جامِ شہادت نوش کرنے کو اپنے اور تیرے لیے باعثِ فخر سمجھوں گا۔اے ماں!...... میں تیرے حضور میں سچا عہد کرتا ہوں کہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سر بکف ہو کر لڑوں گا اور میں اپنی پوری قوت و طاقت سے اسلام، قرآن اور مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنے کے لیے خونریز جنگ میں اپنے آپ کو جھونک دوں گا اور کسی قیمت پر بھی اپنی جان بچانے کے لیے پسپائی قبول نہیں کروں گا۔"

ماں اپنے بچے کے ان کلمات کو سن کر پہلے اس کا ماتھا چومتی پھر اسے اپنی چھاتی سے لگاتی پھر اسے اپنی چھاتی سے جُدا کرتے ہوئے یوں الوداع کہتی:

"اے میرے بیٹے!...... میں نے تجھے اسی مقصد کے لیا جنا تھا اور اسی شہادت کے لیے میں نے تجھے اپنا دودھ پلایا اور پروان چڑھایا تھا۔جا...... ہماری فکر سے بے پروا ہو کر جا۔وہاں یہ نہ سوچنا کہ میں، تیرا باپ اور تیرے دوسرے بہن بھائی کس حال میں ہیں...... ہمیں بھول جانا لیکن تجھے میں اپنے ربنا المسیحؑ کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ جو کچھ تو نے میرے حضور قسم کھا کر کہا ہے اسے سچا کر دکھانا اور اپنی جان بچانے کے لیے پسپائی قبول نہ کرنا۔اگر تو نے شہادت کی بجائے اپنی جان بچائی تو یاد رکھنا میں تجھ سے کبھی راضی نہیں ہوں گی اور نہ ہی میں تجھے اپنا بیٹا تسلیم کروں گی۔"

غرضیکہ ان جذبات کے ساتھ یورپ کے یہ جنونی لشکر اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوا کرتے تھے اور اس جنون کے ہاتھوں انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو مظالم ڈھائے ہیں وہ تاریخ کا ایسا باب بن چکے ہیں کہ جسے کسی بھی قیمت پر نہ تو محو کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے بھلایا جا سکتا ہے۔

حسد و کینہ سے بھرے ہوئے دشمنانِ اسلام کے یہ لشکر، اُمتِ اسلامیہ کے مقابلہ میں یقیناً

کامیاب ہوگئے۔ان کی کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ امتِ اسلامیہ کی قیادت جن قائدین کے ہاتھ میں تھی ،وہ ملّت کے غم خوار و بہی خواہ ہونے کی بجائے وہ خود ہی اس سے برسرِ پیکار تھے۔ انہیں اُمتِ مسلمہ سے اس حد تک نفرت تھی کہ خود ہی اُسے تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ایسے حالات میں بھلا یہ لوگ اُمتِ اسلامیہ کا کیا دفاع کرتے کیونکہ خود اُمتِ مسلمہ کو جگہ جگہ پر خود اپنے انہی قائدین کے ہاتھوں ذبح ہونا پڑ رہا تھا۔وہ یہ کیسے سوچتی کہ اسے کون ذبح کر رہا ہے؟...... آیا وہ اس کا کوئی اپنا قائد ہے یا یہ کام کوئی دوسرا بیرونی واجنبی حملہ آور انجام دے رہا ہے؟......

جب ان یورپی افواج اور ان کے حکمرانوں نے بلادِ اسلامیہ کے عوام اور وہاں کے علاقوں اور ان کے وسائل پر اپنا قبضہ جمالیا اور وہاں ان کا تسلط مستحکم ہوگیا اور بلادِ اسلامیہ بمعہ اپنے وسائل اور عوام کے ان کے شکنجے میں اچھی طرح جکڑ لیے گئے تو ان یورپی افواج،اقوام اور ان کے حکمرانوں نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا اور ان کے باہمی تعلقات کی نوعیت کیا رہی؟...... آنے والے صفحات میں ہم تاریخی شہادات سے اس سوال کا جواب دینے کی ادنیٰ سی کوشس کر رہے ہیں۔

ان یورپی افواج نے امّتِ اسلامیہ کی جان و مال عزت و آبرو غرضیکہ ان کی ہر چیز کو اپنے لیے مالِ مُباح سمجھ لیا۔ان کی مسجدوں کو یا تو گرادیا یا انہیں گرجوں میں تبدیل کرلیا یا ایسی تدابیر اختیار کیں کہ مساجد تباہ و ویران ہوکر آہستہ آہستہ کھنڈرات میں خود ہی تبدیل ہوجائیں یا ایسی تدابیر اختیار کیں کہ مساجد تو نمازیوں سے بھری ہوں لیکن ان کے اماموں اور ان کے نمازیوں کو روحِ جہاد سے بالکل خالی کر دیا تاکہ یہ مساجد امّتِ مسلمہ کی تشکیل و تعمیر اور اس کے بقاء واستحکام میں جو مرکزی اور راہنمایانہ کردار انجام دیتی ہیں وہ اس کردار کی ادائیگی سے عاجز آکر پرستش کے لیے چار دیواریاں بن کر رہ جائیں ان یورپی اقوام نے بلادِ اسلامیہ میں پائے جانے والے کُتب خانوں کو پہلے لُوٹا پھر جلا دیا اور ان کا قیمتی علمی و کتابی سرمایہ اپنے ممالک کی طرف منتقل کرلیا۔اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بلادِ اسلامیہ میں پائی جانے والی صنعت و حرفت کو تباہ و برباد کیا حتیٰ کہ ان کے کاریگروں اور صناعوں کے ہاتھ تک کٹوا دیئے

تاکہ ان کی صنعت وحرفت مفلوج ہو کر آخر کار بالکل ناپید ہو جائے اور اس طرح یہ تمام بلادِ اسلامیہ یورپ کے لیے خام مال پیدا کرنے والے علاقوں میں تبدیل ہو جائیں اور دوسری طرف یورپی صنعت وحرفت اور ان کی پیدا کردہ مصنوعات کے لیے بلادِ اسلامیہ ہر دم تازہ اور رواں دواں منڈیوں کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ان یورپی اقوام نے بوقت ضرورت مسلمانوں کو جلانے تک میں کوئی شرم وحیاء تک محسوس نہیں کی۔

اس ضمن میں خود مغربی مؤرخین نے ماضی وحال کے ان یورپی کارناموں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مطالعہ کر لینا ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ظاہر ہے کہ ان تمام تحریروں کو یکجا اپنے قارئین کے سامنے پیش کرنا تو ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔تمام عالمِ اسلامی کے حوالے سے جائزہ لینا تو کسی طرح بھی فی الحال ممکن نہیں ہے اور یورپ نے جو لوٹ کھسوٹ اور ظلم وستم وہاں روا رکھا ہے اسے بیان کرنے سے تو فی الحال ہم قاصر ہیں لیکن ممالکِ اسلامیہ میں سے بعض میں یورپ نے جو گھناؤنے کارنامے سرانجام دیئے ہیں ان میں سے صرف چند ہی کی جانب اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرنے کو ہم اپنے لیے بہت بڑی کامیابی خیال کرتے ہیں۔اس حوالے سے ہم اپنی اس گفتگو کا آغاز اُندلس یعنی سپین سے کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

سپین کے مسلمانوں پر کیا بیتی؟

۲ جنوری ۱۴۹۲ء کو کارڈینال وبیدر نے ناصری خاندان کے قلعہ حمراء کے اوپر صلیبی جھنڈا لہرا کر اس کے اوپر صلیب نصب کر دی، جو اس امر کا اعلان تھا کہ آج سے اُندلس پر اسلام کی حکمرانی کا دور دورہ اپنے اختتام کو پہنچ گیا ہے۔

اس عہدِ حکمرانی کے خاتمہ سے اس عظیم الشان تہذیب وتمدّن کا خاتمہ کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا جس نے قرونِ وسطیٰ کی اس تمام مدت میں اپنی شان وشوکت اور غلبہ وسطوت کو نہ صرف پھیلایا اور اسے برقرار رکھا تھا بلکہ اس تہذیب وتمدّن ہی نے یورپی انسان کو علم وحکمت اور سائنسی منہاج اور مزاج بھی عطا فرمایا تھا۔ یہ اُندلس کی اسلامی تہذیب ہی تھی جس نے یورپ کو انسانی شعور اور انسانیت کا احترام کرنے کا عملی سبق دیا۔ یہ اُندلس کی اسلامی درس گاہیں ہی تھیں کہ جہاں پر بلا امتیاز نسل، وطن اور مذہب سب طلباء کو خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی، اُندلس کے ہوں یا کہیں اور کے سب کو یکساں اور مساوی طریقے پر علم، حکمت اور آداب و سائنس کی مفت تعلیم بمعہ مفت لباس، خوراک اور رہائش کے مہیا کی جاتی تھی۔ یہ اُندلس ہی تھا کہ جس نے یورپ کو نشاۃ ثانیہ کے لیے فکر، شعور اور علم وحکمت عطاء فرمایا۔

لیکن اُندلس کے عیسائی حکمرانوں نے مسلمانوں کو بمعہ ان کی تہذیب اور اعلیٰ تمدّن کے جس طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی کمر ہمت باندھ لی تھی اس کی ایک جھلک اس تحریر میں دیکھیے:

> اُندلس میں مسلمانوں کے لیے اسلام کو حرام قرار دے دیا گیا، ان کے لیے اسلام کو ترک کرنا ورنہ قتل ہونا یا آگ میں زندہ جلا دیا جانا انہیں ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا۔ عربی زبان بولنے، لکھنے، اس کا حوالہ دینے یا اسے کسی بھی حوالے سے کام میں لانے کو اہلِ اندلس کے لیے مکمل طور پر ممنوع قرار دے دیا گیا۔

حتیٰ کہ اُن کے لیے عربی لباس پہننا یا عربی نام رکھنا بھی ایک ایسا جرم قرار دیا گیا جس کی سزا زندہ جلا دیا جانا تھا۔ اُن کے لیے لازم قرار دیا گیا کہ ان کے پاس ماضی میں تیار کردہ جتنے بھی عربی ملبوسات ہیں وہ انہیں از خود جلا دیں اور اپنے عربی ناموں کو از خود مسیحی ناموں میں تبدیل کر لیں اور اگر وہ ایسا نہ کرنا چاہیں تو انہیں ہر طرح کی سزا کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''(1)

اس طرح آہستہ آہستہ مسلمانوں کا وجود یا تو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا یا انہیں جبراً و قہراً دوبارہ مسیحی ہونے پر مجبور کیا گیا لیکن انہوں نے دین اسلام کو ترک کرنے کی بجائے قتل ہونے کو ترجیح دی۔

اس طرح آخر کار پورے اُندلس میں کوئی ایک متنفّس بھی ایسا باقی نہ رہا جو اپنے دین اسلام کا اظہار کر سکتا ہو۔

سپین کی تفتیشی عدالتیں:

اُندلس میں مسلمانوں کو کیسے کیسے عذابوں کے ہاتھوں نابود ہونا پڑا۔ اگرچہ اس ضمن میں براہِ راست ہمارے پاس معلومات نہیں ہیں لیکن اس ضمن میں ہمیں ان تفتیشی عدالتوں کی بعض کارروائیوں اور کارگزاریوں کے بارے میں معلومات فراہم ہو گئی ہیں۔ ان معلومات کا پتہ چلتا ہے کہ ہسپانوی مسیحی خود اپنے ہی مسیحی بھائیوں کے ساتھ اختلافِ رائے کی صورت میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا کرتے تھے اور اپنے مخالف بھائیوں کے ساتھ جو ظالمانہ طرزِ عمل وہ روا رکھتے تھے اور جس کے بارے میں معلومات اب فراہم ہو چکی ہیں اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہسپانوی مسیحی بادشاہت میں مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے کس کس طرح کی سزائیں اور جبر و تشدّد کی مسلسل و پیہم مہمیں جاری رکھی گئی ہوں گی۔

سقوطِ اندلس کے چار سو سال بعد (۱۸۰۸ء) نپولین نے اپنا ایک لشکر سپین فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ آخر کار جب سپین پر نپولین کو غلبہ حاصل ہو گیا تو اُسے پتہ چلا کہ وہاں پر تا حال تفتیشی عدالتیں موجود ہیں جہاں پر بے گناہ انسانوں کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا رکھا

(1) بحواله القومية والغزو الفكرى ص: ۱۷٤

جاتا ہے۔ اس طرح کی خبر پا کر اس نے ان تفتیشی عدالتوں کا سراغ لگانے اور انہیں نیست و نابود کر دینے کے احکام جاری کر دیئے۔ ان احکام کی تعمیل کے لیے جو فوجی آفیسر متعین کیا گیا اس کا بیان ہے کہ:

''ہم نے سنا ہے کہ فلاں مقام پر اب تک تفتیشی عدالت کے دفاتر موجود ہیں۔ لہٰذا ہم نے ان میں سے ایک دفتر پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ہمیں اپنی اس مہم کے آغاز میں تو اس کے بارے میں کوئی سراغ نہ ملا اور یوں محسوس ہونے لگا کہ یہ سب کچھ بے بنیاد پراپیگنڈہ ہے کیونکہ ہمیں بے پناہ کوشش کے باوجود کسی ایک عقوبت خانے کی بھی نشان دہی نہ ہو سکی۔ جہاں پر ان سزاؤں کے بارے میں کوئی سراغ پایا جاتا ہو، جن کے بارے میں ہمارے سراغ رسانوں نے ہمیں معلومات فراہم کی تھیں۔ ہم نے وہاں کے مکانوں، گزرگاہوں اور اسی طرح وہاں کی کوٹھڑیوں کا کونا کونا چھان مارا لیکن ہمیں ان عقوبت خانوں کے وجود کا کوئی ادنیٰ ترین احساس بھی نہ ہو سکا۔ آخر کار مایوسی اور ندامت کے عالم میں ہم نے وہاں سے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہاں پر موجود پادری صاحبان ہماری تفتیش و تحقیق کے دوران قسمیں کھا کھا کر یہ حلفیہ بیانات دے رہے تھے کہ ان کے دفاتر یا ڈیروں کے بارے جو معلومات ہمیں پہنچائی گئی ہیں وہ ساری کی ساری ایک بے بنیاد تہمت کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ اسی طرح ان کا چیف پادری بھی ہمارے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا، وہ بڑی پست آواز اور پُر لجاجت انداز میں مسلسل اپنی اور اپنے متبعین کی براءت کا اظہار کیے جا رہا تھا۔ یہ پادری وقفے وقفے سے اپنی آنکھوں کو آنسوؤں سے بھر کر بڑے ہی معصومانہ انداز میں اپنی مسکینی، نرم دلی اور شرافت کی قسمیں کھا رہے تھے۔ آخر کار میں نے اس رہبانی ڈیرے کو خالی کر دینے کی تیاری کا حکم اپنے فوجیوں کے نام جاری کر دیا لیکن عین اُسی وقت میرے ماتحت ایک لیفٹیننٹ مسٹر دی لیل نے مجھ سے تھوڑی سی مہلت مانگی اور نہایت لجاجت کے ساتھ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں روانگی کے عمل کو کچھ دیر کے لیے ملتوی کر دوں اور اپنے فوجیوں کو کچھ دیر کے لیے مزید تفتیش جاری رکھنے کی اجازت دے دوں۔ میں نے اس سے کہا کہ ہم نے اس ڈیرے کا چپہ چپہ چھان مارا ہے لیکن ہمیں کسی ایک بھی مشکوک چیز کا سراغ نہیں مل سکا لہٰذا اس مہم کو جاری

رکھنے کا اے جناب لیفٹیننٹ آخر کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟...... اس لیفٹیننٹ نے میرے اس سوال کے جواب میں صرف اتنا کہا کہ اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ اصل راز اس کمرے ہی کے نیچے پوشیدہ ہے کہ جس میں ہم یہ گفتگو کر رہے ہیں لہٰذا آپ ہمیں تھوڑی سی مزید مہلت عنایت فرمادیں تا کہ ہم ان کمروں کے فرشوں کے بارے میں کچھ مزید تحقیق و تفتیش سے کام لے سکیں۔

ہماری اس گفتگو کو سُن کر پادریوں کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ ان کے چہروں کا رنگ فق ہو گیا اور پریشانی کے آثار ان کے چہروں پر صاف دکھائی دینے لگے۔ بہر حال میں نے افسروں کو مزید تلاشی جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔ پس فوجیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ تمام کمروں سے قیمتی قالین اُٹھالیں اور کمروں کے فرشوں کو بالکل صاف کر دیں اور ہر کمرے میں علیحدہ علیحدہ وافر مقدار میں پانی ڈالیں اور اس عمل کی نگرانی کریں۔ ہماری حیرانگی کی کوئی انتہا نہ رہی جب ہم نے یہ دیکھا کہ ایک کمرے کے فرش نے سارے کے سارے پانی کو اپنے اندر جذب کر لیا ہے۔ اس پر لیفٹیننٹ دی لیل تو گویا خوشی سے پاگل دکھائی دینے لگا تھا۔ اس نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: جناب!...... ہمیں عقوبت خانے کا سراغ مل گیا ہے اور اس عقوبت خانے کا دروازہ اسی کمرے میں کھلتا ہے۔ جب ہم نے ان سوراخوں سے جن سے پانی نیچے گیا تھا ذرا جھانک کر دیکھا تو ان سے وہ دروازہ ہمیں صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کمرے کے فرش کی ایک جانب سے ایک دائرے کی شکل میں ایک خفیہ راستے کی جانب یہ دروازہ کھلتا تھا۔ یہ کمرہ اس ڈیرے کے چیف پادری کے دفتر کی بالکل بغل میں وقوع پذیر تھا۔

ہمارے سپاہیوں نے اس دروازے کو بندوقوں کی بٹیں مار مار کر توڑنا شروع کر دیا۔ اس دوران پادریوں کی حالت دیدنی تھی۔ ان کے چہرے پہلے زرد اور بعد میں بالکل سیاہ ہو چکے تھے۔ یوں دکھائی دیتا تھا کہ گویا ان کا لہو تک منجمد ہو گیا ہے۔ آخر کار اس دروازے کو توڑ کر کھول لیا گیا۔ اس کے اندر سے اس زینے کا سراغ ملا جو کہ نیچے زمین میں پائے جانے والے تہہ خانے کی جانب نیچے اُترتا تھا۔ جب میں نیچے اُترا تو فوراً ہی مجھے اپنے سامنے ایک بہت

بڑی موم بتی جلتی دکھائی دی۔اس کی اونچائی ایک میٹر سے بھی کچھ زیادہ ہی محسوس ہوتی تھی۔ یہ موم بتی اس تفتیشی عدالت کے چیف جج کی تصویر یا مجسمے کے سامنے جل رہی تھی۔ جب میں نے اس موم بتی کو پکڑنے کے لیے نیچے اُترنے کا ارادہ کیا تو ایک پادری نے آہستہ سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔اے میرے بیٹے!......اس مقدس موم بتی کو اپنے ناپاک ہاتھ میں نہ لیجئے! نا معلوم تیرے اس منحوس اور ناپاک ہاتھ نے کتنے معصوم اور بے گناہ انسانوں کا خون بہایا ہوگا۔لہٰذا معصوم انسانوں کے خون سے آلودہ یہ ناپاک ہاتھ مقدس موم بتی کو چھونے کا کیسے اہل ہوسکتا ہے؟......میں نے کہا:

ہاں جناب!......اس امر کا فیصلہ عنقریب ہونے والا ہے کہ میرے ہاتھ ناپاک ہے یا یہ موم بتی منحوس ہے۔میرے ہاتھ نے معصوم انسانوں کا خون زیادہ بہایا ہے یا اس منحوس موم بتی کے سامنے معصوم انسانوں کا خون زیادہ بہا ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے میرا ہاتھ تمہاری اس منحوس موم بتی کو چھونے سے ناپاک ہو رہا ہے۔ کیونکہ مجھے تو تمہاری یہ موم بتی بے گناہ انسانوں کے خون میں لتھڑی ہوئی نظر آ رہی ہے،تاہم تھوڑا سا انتظار کیجئے ناپاک،نجس اور بلا جواز و ناحق خون بہانے والوں کے بارے میں فیصلہ ہونے ہی والا ہے۔بہر حال میں نے اس زینے کے خانوں پر پاؤں رکھتے ہوئے نیچے اُترنا شروع کر دیا۔یہ تمام فوجی ننگی تلواریں اپنے سروں پر لہراتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔جب ہم نیچے پہنچے تو ہماری حیرانگی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ یہاں ایک مربع شکل کا بہت بڑا کشادہ ہال تھا۔یہی دراصل تفتیشی عدالت یا کچہری کا اصل ہال تھا۔اس کے بالکل درمیان میں سنگِ مرمر کا ایک بہت بڑا ستون تھا اور اس کے چاروں طرف لوہے کا ایک جنگلہ یا دائرہ بنا ہوا تھا اور اس میں زنجیریں اور بیڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔ان زنجیروں اور بیڑیوں میں زیرِ تفتیش افراد کو جکڑ کر رکھا جاتا تھا۔

اس ستون کے آگے ایک بہت بڑا چبوترہ تھا جس پر اس تفتیشی عدالت کا صدر اور اس کے ساتھ دوسرے جج صاحبان بیٹھا کرتے تھے،تا کہ وہ ان افراد کے بارے میں ان کے قتل کیے جانے یا دیگر سزائیں بھگتنے کے احکام صادر کرسکیں۔ہم ان عقوبت خانوں کی جانب متوجہ ہوئے کہ جن میں ان بے گناہ انسانوں کے جسموں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا تھا۔یہ عقوبت

خانے اچھے خاصے رقبے پر پھیلے ہوئے تھے۔

میں نے وہاں جو کچھ دیکھا اس سے میرے ہوش وحواس اُڑ گئے اور اب بھی جب کبھی مجھے وہ وقت یاد آنے لگتا ہے تو میرے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے اور میرا جسم نفرت و کراہیت سے لرزنے لگتا ہے۔ ہم نے وہاں انسانی قد وقامت کے مطابق بنائے گئے کئی ایک چھوٹے چھوٹے تنگ و تاریک کمرے دیکھے ان میں سے بعض عمودی طرز کے تھے اور بعض اُفقی طرز کے، عمودی طرز کے کمروں کے بیچارے قیدی مرتے دم تک اپنے پاؤں پھیلائے رکھنے پر مجبور ہوتے تھے۔ پھر ان وفات یافتہ قیدیوں کی لاشوں کو ان ہی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں باقی رہنے دیا جاتا تھا تاکہ وہ وہیں گلتی سڑتی رہیں۔ آخر کار ان کا گوشت ہڈیوں سے جھڑ جاتا تھا یا اسے کیڑے کھا جاتے تھے۔ ان متعفن لاشوں سے جو گندی اور غلیظ بد بوئیں پیدا ہوتی تھیں، ان کو باہر نکالنے کے لیے بیرونی فضا کی جانب کچھ چھوٹے چھوٹے چمنی نما روشندان بنائے گئے تھے۔ ہمیں وہاں ان عقوبت خانوں میں ایسے انسانی ڈھانچے بھی ملے جو ابھی تک ان بیڑیوں کے اندر مقیّد تھے۔ یہ قیدی مرد بھی ہوتے تھے اور عورتیں بھی اور ان کی عمریں زیادہ تر چودہ (۱۴) سال سے سترہ (۱۷) سال کے مابین ہوا کرتی تھیں۔ ہمیں اس امر کی بھی توفیق ملی کہ ہم نے ان بدقسمت قیدیوں میں سے بعض کو زندہ رہا کرالیا۔ ہم نے ان کی ہتھکڑیوں کو کھول ڈالا۔ یہ بیچارے اپنی زندگی کے آخری دموں پر پہنچے ہوئے تھے۔ ہم نے جن قیدیوں کو رہا کروایا ان میں سے اکثر پاگل یا دیوانے ہو چکے تھے۔ ان کے پاگل پن کا سبب وہ پانی تھا جو ان کے اوپر سزا کے طور پر بڑے بے رحمانہ انداز میں مسلسل بہایا جاتا تھا۔ وہ بیچارے قیدی جنہیں ہم نے رہا کرایا تھا یہ سب کے سب ننگے تھے اس لیے ہمارے فوجیوں نے اپنی وردیاں اُتار کر اُنہیں دیں، تاکہ اس طرح وہ کم از کم اپنی کچھ نہ کچھ ستر پوشی کرسکیں۔

ہم ان رہا شدہ قیدیوں کو آہستہ آہستہ روشنی کی طرف لائے تاکہ اچانک روشنی دیکھ لینے سے ان کی آنکھیں چُندھیا نہ جائیں۔ یہ بیچارے خوشی سے رو رہے تھے۔ یہ رہا شدہ قیدی ہمارے سپاہیوں کے ہاتھ اور پاؤں کے بوسے لے رہے تھے۔ وہ انہیں دیوتا سمجھ کر ان کی تعظیم بجالا رہے تھے، کیونکہ وہ انہیں خوفناک عذاب سے رہائی دلا کر ان کے لیے حیاتِ نو کا

سبب بنے تھے۔ یہ ایک ایسا دلخراش منظر تھا کہ اگر چٹانیں بھی اسے دیکھ لیتیں تو وہ پھٹے بغیر نہ رہ سکتیں۔

خوفناک آلات:

اس کے بعد ہم دوسرے کمروں کی طرف متوجّہ ہوئے۔ وہاں پر ہم نے جو کچھ دیکھا اس کی وحشت و دہشت سے بدن لرزنے لگتا ہے۔ وہاں ہم نے مجرموں کو سزائیں دینے کے لیے عجیب عجیب آلات دیکھے۔ ان آلات میں سے بعض تو ہڈیوں کو توڑنے اور جسم انسانی کو ریزہ ریزہ کر دینے سے متعلق تھے اور ان میں سے بعض وہ آلات تھے کہ جن کے ذریعے سب سے پہلے پاؤں کی ہڈیوں کو توڑا جاتا تھا۔ ہمیں پتہ چلا کہ اس منحوس کام کا آغاز پہلے پاؤں کی ہڈیوں کو توڑنے سے کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ سینے، سر اور دونوں ہاتھوں کی ہڈیوں کو توڑا جاتا تھا۔ آخر کار پورے کے پورے جسم کو بیلنے میں پیڑ دیا جاتا تھا۔ اس بیلنے سے ایک طرف پسی ہوئی ہڈیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے قیمہ ہو کر نکلتے تھے اور دوسری طرف وہ خون جو کہ ان بدقسمت انسانوں کے گوشت میں شامل ہوا کرتا تھا وہ نکلتا تھا۔ یہ ظالم لوگ ان بے گناہوں کے ساتھ جن جرائم کا ارتکاب کیا کرتے تھے یہ اس کی ایک ادنیٰ ترین مثال ہے۔

پھر ہمیں وہاں ایک ایسا صندوقچی نما آلہ ملا جس کا حجم تقریباً انسانی سر کے برابر تھا۔ یہ لوگ جس مجرم کو اس سزا کا مستحق سمجھا کرتے تھے وہ اس مجرم کے سر کو اس صندوقچی نما آلہ کے اندر رکھ دیتے تھے۔ اس میں اس کا سر ڈالنے سے قبل اس کے ہاتھ اور پاؤں کو بیڑیوں یا زنجیروں میں اس طرح مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا کرتے تھے کہ وہ بیچارہ کسی طرح کی بھی کوئی حرکت انجام نہ دے سکے۔ اس صندوقچی نما آلے کے اوپر کے سرے پر ایک سوراخ ہوتا تھا، وہاں لگاتار اس بیچارے قیدی کے سر پر ہر منٹ کے بعد ٹھنڈے پانی کا ایک ایک قطرہ گرایا جاتا تھا۔

اس طرح کے عذاب سے ان قیدیوں میں سے بہت سے قیدی تو آخر کار بالکل پاگل ہو جاتے تھے اور ان بیچاروں کو مرتے دم تک اسی طرح کے عذابوں میں مبتلا رہنا پڑتا تھا۔

اسی طرح ہمیں وہاں پر سزا دینے کا ایک اور خوفناک آلہ بھی ملا۔ یہ آلہ ایک تابوت کی شکل میں تھا اور اس کے اندر تیز قسم کی چھریاں اور چاقو نصب کئے گئے تھے۔ یہ لوگ نوجوان قیدیوں کو اس طرح کے تابوتوں میں لٹا دیا کرتے تھے اور پھر اوپر سے ان کا دروازہ بند کر دیتے تھے۔ جونہی ان کا دروازہ ان پر بند ہوتا تھا تو فوراً ہی ان بیچاروں کا جسم پارہ پارہ ہو جاتا تھا۔

اس طرح ہم نے وہاں سے ایسے آلات بھی ڈھونڈ نکالے جو کہ زنبوروں یا چمٹیوں کی طرح کے تھے۔ ان زنبوروں کو سزا یافتہ انسانوں کی زبانوں میں گاڑ دیا جاتا تھا، پھر انہیں اپنے مونہوں کو بند کر لینے کا حکم دیا جاتا تھا۔ اس طرح یہ ظالم لوگ ان بیچاروں کی زبانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے باہر نکال لیا کرتے تھے۔

اسی طرح وہاں سے مزید ایسے زنبوری آلات بھی ہمارے ہاتھ لگے کہ جنہیں یہ ظالم و جلاّد درندے بے گناہ عورتوں کے پستانوں پر اچھی طرح چمٹا دیا کرتے تھے، پھر جب وہ زنبوری آلات اچھی طرح ان بیچاری مظلوم عورتوں کے پستانوں میں پیوست ہو جاتے تھے تو پھر وہ انہیں پوری طاقت سے اکھاڑتے تھے جس سے یا تو وہ پستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے تھے یا یہ بدبخت وسنگدل لوگ چھریوں یا چاقوؤں کے ساتھ انہیں تھوڑا تھوڑا کر کے کاٹ لیا کرتے تھے۔

اسی طرح ہمیں وہاں سے لوہے کے دندانے دار یا کانٹوں والے ایسے دُرّے یا چھانٹے بھی ملے کہ جن سے ان قیدیوں کو ننگا کر کے پیٹا جاتا تھا اس سے ان کا گوشت ہڈیوں سے جدا ہو جاتا تھا آخر کار ان بیچاروں کی ہڈیاں بھی ان ضربوں کی تاب نہ لا کر ریزہ ریزہ ہو جاتی تھیں۔ (1)

---

(1) محاکم التفتیش از ڈاکٹر علی مظہر بحوالہ التعصب و التسامح از علامہ محمد الغزالی

اسلامی ممالک کی تفتیشی عدالتیں

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ماضی میں سپین میں جو ظالمانہ تفتیشی عدالتیں قائم تھیں اب وہ روپ تبدیل کر کے عالمِ اسلام میں اپنے آپ کو منتقل کر چکی ہیں تا کہ ان ممالک کے فاسق ، فاجر اور مجرم حکمران اپنی اقوام اور عوام کو ان کے ذریعے طرح طرح کی سزائیں دے کر اپنے آپ کو وہاں پر زیادہ سے زیادہ مدت کے لیے مسلّط رکھ سکیں اور آہستہ آہستہ ملک و ملّت کے بہی خواہوں اور ملّت کا درد رکھنے والے مخلص مجاہدین سے ان ممالک کو پاک کر سکیں۔ایک دفعہ مجھے ایک واقعہ کے عینی گواہ نے ان بعض سزاؤں کا ذکر کیا جنہیں ایک اسلامی بادشاہت کے زیرِ سایہ مجاہد علماء کے ایک گروپ پر آزمایا جا رہا تھا۔اس نے اپنے بیان کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ:

''شدید نوعیت کی سزا دینے کے بعد ایک دن جیلر ہمیں کوڑے مارتے ہوئے جیل خانوں کی طرف لے جا رہے تھے اور رخصت کرتے وقت وہ جلاّد ہمیں اگلے دن کے لیے بھی اسی طرح کی مار کھانے کے لیے تیار رہنے کی خوش خبری دے رہے تھے۔وہ وارننگ پر وارننگ دے رہے تھے کہ ہم شدید نوعیت کی مزید سزائیں برداشت کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہا کریں۔اگلی صبح جوں ہی وہ جلاّد آئے انہوں نے ہمیں فوراً ان عقوبت خانوں سے نکلنے کے احکامات جاری کر دیے۔ہم نے اپنے پاؤں اور جسموں کو فوری طور پر تیار کر لیا اور ہم اپنی تمام جسمانی قوت کو اکٹھا کر کے کوڑے کھانے کے لیے تیار ہو گئے۔ہماری خواہش تو ہوتی کہ کسی نہ کسی طرح ان ظالم کوڑوں سے بچ نکلیں لیکن ان کوڑے برسانے والوں کی تعداد ہماری تعداد سے کہیں زیادہ ہوتی تھی اور ظلم و ستم ڈھانے کی ان کو باقاعدہ تربیت دی جا چکی تھی۔اس لیے یہ لوگ ہمارے اوپر بہت زیادہ کوڑے برسایا کرتے تھے۔

ایک دن انہوں نے ہمیں باہر لے جا کر ایک صحرائی وادی میں سورج کی تیز شعاعوں

کے نیچے کھڑا کر دیا۔ انہوں نے ساتھ ہی پتھر کے کوئلے ایک ڈھیر کی صورت میں جمع کر دیئے، ان میں آگ لگا دی اور انہیں اچھی طرح بھڑکانے لگے۔ اس آگ کے پاس ہی انہوں نے ایک لکڑی کی پھانسی بھی نصب کر دی، اس کی تین ٹانگیں تھیں۔ جب یہ کوئلے بھڑک اُٹھے اور سُرخ ہو جانے کا بعد ان میں سے شعلے نظر آنے لگے تو ہم نے اچانک کافی دور سے بھونکنے والے کتوں کی آوازیں سُنیں۔ آہستہ آہستہ یہ آوازیں ہم سے قریب تر ہوتی جا رہی تھیں۔

مجاہد جلیل جاوید خاںؒ امامی:

تھوڑی ہی دیر میں ہم نے یہ دیکھا کہ ایک پانچ افراد پر مشتمل حفاظتی دستہ ایک خوبصورت نوجوان کو ہانک کر ہماری جانب لا رہا ہے۔ ہم اس نوجوان کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ اس کا نام جاوید خاں امامی تعالیٰ علیہ وہ جید علمائے کرام میں سے ایک تھا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ وہ اس ملک میں اللہ کے دین کے نفاذ کی تحریک اور اس کے لیے جد جہد میں اپنے آپ کو مکمل طور پر شامل کر چکا تھا اور اسی جرم کی پاداش میں وہ ہمارے ساتھ والے سیل (Cell) میں کوڑے کھایا کرتا تھا۔ اس نوجوان عالم مجاہد کو ہاتھ پاؤں باندھ کر آگ کے پاس کھڑا کر دیا گیا۔ اس دوران وہ پاگل کتے جن کی آوازیں ہم نے پہلے سُنی تھیں وہ ہمارے پاس پہنچ چکے تھے۔ ان پاگل کُتوں کی آوازیں اس قدر شور پیدا کر رہی تھیں کہ ایک دوسرے کی آواز سننا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ یہ کُتے دس حفاظتی کارندوں کی نگرانی میں تھے۔ ہر کُتے کا قد تقریباً ایک میٹر دکھائی دے رہا تھا۔ ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ ان کُتوں کو کئی دن سے بھوکا اور پیاسا رکھا گیا تھا۔ وہ حفاظتی دستہ جاوید خاں امامی کو اس بھڑکتی ہوئی شعلہ زن آگ کے الاؤ کے بالکل قریب لے گیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی تھی جب کہ ہاتھ پاؤں تو اس کے پہلے ہی باندھے جا چکے تھے۔ یاد رہے کہ ہم قیدیوں کی تعداد تقریباً سو (۱۰۰) تھی جب کہ ہماری حفاظت کے لیے جو حفاظتی دستہ ہماری نگرانی کر رہا تھا وہ تقریباً دو سو (۲۰۰) افراد پر مشتمل تھا۔ یہ حفاظتی دستہ بندوقوں اور مشین گنوں سے مسلح تھا۔ پھر اچانک دس محافظوں نے جاوید خاں کو اُٹھایا اور آگ کے پاس لے جا کر زمین پر بٹھا دیا۔ انہوں نے اس کی چھاتی پر ایک

مثلث نما لکڑی بڑی مضبوطی کے ساتھ باندھ دی جس کے نتیجے میں وہ بیچارہ کسی قیمت پر بھی نہ تو اُٹھ سکتا تھا اور نہ ہی اپنے پاؤں کو کوئی حرکت دے کر انہیں اِدھر اُدھر پھیلا سکتا تھا۔ پھر ان ظالموں نے اس حالت میں جاوید خاں کو اُٹھا کر اس آگ کے الاؤ میں پھینک دیا۔ اس بیچارے نے ایک زبردست چیخ ماری جسے سُن کر ہم میں سے تقریباً آدھے رفقاء تو اپنے حواس کھو بیٹھے۔ اس خوفناک منظر کو دیکھ کر ہماری آنکھیں بند ہو گئیں اور ہم چیخیں مارنے لگے۔ اب جاوید خاں کے جسم کے بھونے جانے کی بو پورے علاقے میں پھیل گئی تھی۔ اسے میری بدقسمتی سمجھیں یا خوش بختی کہ مجھے اس منظر کو دیکھ کر شدید رونا تو آیا لیکن اپنے حواس کو بحال رکھنے میں کامیاب رہا۔ شاید اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ میں اس خوفناک داستان کو اپنے کانوں سے سنوں اور اس وحشت ناک منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اسے آگے اپنے مسلمان بھائیوں تک منتقل کر سکوں اور میرے اس مجاہد عالم بھائی پر جو ظلم و ستم ڈھائے گئے تھے اور جس طرح صبر و استقامت کے ساتھ اس مجاہد جلیل نے پُر وقار طریقے سے جان اسلام کے لیے قربان کر تھی اس کی گواہی دے سکوں۔ جب اس مجاہد جلیل کا گوشت اچھی طرح بھونا جا چکا تھا اور وہ بیچارہ ہر حوالے سے بیہوش ہو چکا تھا کیونکہ ایسی حالت میں حواس برقرار رکھنا تو محالات میں سے تھا۔ اب اس کی مشکیں کھول دی گئیں اور قریب ہی موجود لکڑی کی پھانسی پر اسے لٹکا دیا گیا پھر مضبوطی کے ساتھ انہوں نے اسے پھانسی پر باندھ دیا۔ اس کے بعد جلدی سے وہ سفاک انسان بھوکے کُتوں کو اس کے پاس لے آئے۔ کُتوں کو رسیوں سے آزاد کر کے انہوں نے جاوید خاں کی بھونی ہوئی پشت کے پاس لے جا کر چھوڑ دیا تا کہ وہ پاگل بھوکے پیاسے کُتے جہاں سے چاہیں جاوید خاں کے بھونے ہوئے گوشت کو کھا سکیں۔ یہ منظر دیکھ کر میں نے بھی خواہش کی کہ کاش میں اس منظر کو دیکھنے سے پہلے ہی مر گیا ہوتا لیکن میرا ایسا نصیب نہ تھا۔ مجھے تو یہ دیکھنا پڑ رہا تھا کہ وہ پاگل کُتے اس مجاہد جلیل کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ یہ کُتے مجاہد جلیل کے چہرۂ انور اور آنکھوں کی جانب بڑھے تو میں بھی اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا۔ میرے حواس بھی جواب دے گئے اور میں بے قابو ہو کر زمین پر گر پڑا۔ جب میں بیہوشی کے عالم میں تھا تو اس دوران وہاں کیا ہوا مجاہد جلیل کا سارا گوشت کُتے کھا گئے یا کچھ بچا بھی اور اس طرح

آپ کے ڈھانچے اور ہڈیوں کے ساتھ کیا کیا گیا مجھے معلوم نہیں۔ مجھے تو بس اتنا یاد ہے کہ جب میرے حواس بحال ہوئے تو میں اپنے قید خانے میں پاگلوں کی طرح چیخیں مار مار کر پیارے جاوید پکارے جا رہا تھا۔ اے میرے پیارے جاوید تو کہاں ہے؟...... اے میرے پیارے بھائی جاوید پہلے تو تُو ساتھ والی کوٹھڑی سے ہماری پست آوازوں کا بھی جواب دے دیا کرتا تھا اور آج ہماری چیخ و پکار کا بھی تو جواب نہیں دے رہا...... تو ایسا ظالم یا بے وفا تو نہ تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان ظالموں نے تجھے کہیں ٹھکانے لگا دیا ہے...... ہاں وہ منظر کیا تھا جب تجھے بھوکے پیاسے کُتوں کے سامنے ڈالا گیا...... تیرا جرم کیا تھا کچھ تو بتا...... ہاں میں جانتا ہوں تیرا جرم بھی وہی تھا جو ہمارا ہے۔ میری اس چیخ و پکار کو سُن کر میرے دوسرے ساتھی اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے میرے سر اور منہ کو بالکل بند کر رکھا تھا تاکہ میری آواز جلادوں کو سنائی نہ دے۔ وہ ڈرتے تھے کہ اگر جلادوں نے میری اس آواز کو سن لیا تو میرا انجام بھی جاوید خاں امای اور ایسے ہی اس دوسرے مجاہد شاہان خانی سے قطعاً کچھ مختلف نہ ہو گا جسے ہسٹریا کے دورے پڑنے شروع ہو چکے تھے وہ بیچارہ بھی میری ہی طرح ہائے جاوید، ہائے جاوید کی چیخیں لگا رہا تھا۔ میرے دوست میرے منہ کو بند کرنے کی کوششیں کر رہے تھے لیکن نا معلوم میرے اندر جنون نے کیا طاقت پیدا کر دی تھی کہ میں ان سب کے سامنے اپنے منہ کو کھولے رکھنے میں ابھی تک کامیاب ہو رہا تھا۔ میں دیوانگی کے عالم میں چیخ رہا تھا۔ اے میرے بھائی جاوید!...... ہمارے ایمان سے تیرا ایمان کہیں زیادہ جاندار اور قیمتی تھا تبھی تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کی برکت سے اس عظیم الشان منصب شہادت کے لیے قبول فرما لیا ہے۔ اے پیارے بھائی جاوید!...... تو زندہ رہے گا تجھے مارنے والے خود مر گئے، لعنت ان کا مقدر بن گئی۔ تو ہمارے دلوں میں زندہ ہے تو آنے والے مجاہدوں کے دلوں میں زندہ رہے گا تو آنے والے مجاہدوں کی نسلوں اور اس اُمت میں زندہ رہے گا۔ تیرا ایمان اور تیرا عشق ہمارا امام ہوگا اور ہم پر حکمران بھی۔

هرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

آخر کار جلاد آ ہی گئے۔ میرے دوست میرا منہ بند کرنے میں تو کامیاب ہو گئے لیکن

جاوید خاںؒ کا دوسرا ساتھی کہ جس پر ہسٹریا کے دورے پڑ رہے تھے وہ بے حواسی کے عالم میں ابھی تک کچھ نہ کچھ چیخ و پکار کر رہا تھا۔ وہ جلاد اُسے اپنے ساتھ باہر لے گئے۔ اس کے سر کے اوپر انہوں نے ریت سے بھرا ہوا کنستر رکھ دیا۔ پھر انہوں نے اسے دندانے دار سلاخوں کے اوپر لٹکا کر اسے ان کے اوپر اُفقی انداز میں باندھ دیا۔ وہ بیچارہ اس طرح شہید ہوا کہ اس کے جسم مبارک کے ہزار ہا ٹکڑے ہو چکے تھے لیکن قربان جائیں اس کے ایمان پر کہ وہ جری مرد مسلمان مرتے وقت بھی اللہ اکبر! اللہ اکبر! مصطفیٰ راہبر! مصطفیٰ راہبر! کے نعرے لگا رہا تھا۔ وہ شیر کی طرح گرجتے ہوئے ان ظالموں سے کہہ رہا تھا اے ظالمو!...... آج تمہارا دن ہے، کل ہمارا دن ہوگا۔ ایک دن تمہیں اللہ تعالیٰ کے قوی، طاقت ور اور عدل پرور ہاتھ ضرور دبوچ لیں گے اور ہم جیسے مظلوم آخر کار اللہ تعالیٰ کے عدل اور قہر کا مظہر بن کر تمہیں اپنے پاؤں کے نیچے ضرور روند ڈالیں گے۔ جب اس مرد مسلمان نے آخری سانس لی اور اس طرح کی آواز بند ہو گئی تو میرے اوپر بے ہوشی کا غلبہ ہو گیا۔

جب میری آنکھیں کھلیں تو میں نے دیکھا کہ اب میں جیل خانے کی بجائے ایک دماغی امراض (Mental Hospital) کے ہسپتال کی زینت بنا دیا گیا ہوں۔ اچانک میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہاں میرے پہلو میں میرے ملک کا سفیر معظم موجود ہے۔ اس نے میرے سر کے اوپر جھکتے ہوئے پوچھا اب تمہارا کیا حال ہے؟...... حوصلہ رکھو عنقریب تم ان شاء اللہ شفاء یاب ہو جاؤ گے۔ اگر آپ اس ملک میں اجنبی نہ ہوتے تو یقیناً میں آپ کو قید سے رہائی دلانے میں کامیاب نہ ہو سکتا۔ اس نے اچانک مجھ سے سوال کیا کہ آپ کو اللہ کی قسم ہے کہ آپ مجھے سچ سچ بتا دیں کہ وہ جاوید کون تھا جس کا نام لے لے کر تو بار بار چیخیں مارا کرتا تھا؟...... میں نے اس سفیر محترم کو جاوید شہید کے بارے میں وہ سب کچھ بتا دیا جو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ میری اس مشاہداتی رپورٹ کو سُن کر سفیر کا رنگ فق ہو گیا۔ مجھے یوں نظر آنے لگا کہ عنقریب اس سفیر پر بھی غشی کے دورے پڑنے لگیں گے۔ ابھی ہم اپنی بات چیت ختم نہ کرنے پائے تھے کہ میں نے کچھ سپاہیوں کو اپنی جانب آتے دیکھا، وہ میرے بارے میں دوسرے مریضوں سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک پولیس آفیسر میری چارپائی کے سرہانے پر

آ کھڑا ہوا اور اسی وقت اس نے میرے سامنے ایک فرمان رکھ دیا جس میں مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں اسی حالت اور انہی کپڑوں میں اس ملک کو خیر باد کہہ دوں۔ میرے ملکی سفیر نے بڑی کوشش کی کہ مجھے شفایاب ہونے تک ہسپتال میں رہنے کی اجازت مل جائے لیکن اسے اس سلسلے میں کوئی کامیابی نہ ہوسکی۔ انہوں نے اسی وقت مجھے ہسپتال سے نکال کر ایک بحری جہاز کے اندر لا بٹھایا۔ میرے پاس نہ تو کوئی شناختی کارڈ تھا اور نہ ہی کوئی ایسی تحریر تھی جس سے میری ذات وصفات کی کوئی شناخت ہوسکتی، حتّٰی کہ میں اپنے ہسپتال ہی کے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ بہرحال میں اُس بحری جہاز کے ذریعے اپنے ملک پہنچا دیا گیا۔ یہاں آ کر میں نے اپنے اہل خانہ سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا۔ وہ جب میرے پاس آئے تو میری بیوی، بہن، ماں اور بیٹی نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ آخر کار جب میں نے انہیں کچھ نشانات دکھائے اور اپنے ماضی کے حوالے سے انہیں کچھ خاص خاص بھولی بسری باتیں یاد کرائیں تو ان سب نے مجھے پہچان لیا۔ وہ رونے لگے، میں نے کہا کہ میں نے اپنی پہچان تمہیں رُلانے کے لیے نہیں کرائی تھی اگر تم نے اس طرح رونا دھونا ہے تو مجھے تم سے مل کر کوئی خوشی حاصل نہیں ہوئی۔ سب میرے ساتھ اللہ اکبر! اللہ اکبر! مصطفٰیؐ راہبر کے نعرے لگاؤ تاکہ تمہارے اس طرح نعرے لگانے سے مجھے احساسِ رفاقت حاصل ہو اور اس طرح ماضی کے غموں کا کچھ مداوا ہو سکے۔ انہوں نے میرا یہ مطالبہ مان لیا۔ انہوں نے پورے جوش وخروش کے ساتھ یہ نعرے لگائے اور پھر مجھے اپنے ساتھ ہسپتال لے گئے۔ وہاں ہسپتال میں تین ماہ تک ٹھہرا رہا۔ اس پوری مدتِ قیام میں دن رات وقفے وقفے کے ساتھ میرے اوپر گریہ وفغاں کی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حد تک شفا عطاء فرما دی۔

اس بیچارے نے اپنے اس بیان کو یہاں آ کر ختم کر دیا۔ ختم کرنے سے پہلے اس نے اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے مجھ سے یوں کہا:

آپ کو یہ جان کر شاید کوئی حیرانگی نہیں ہوگی کہ اس قید خانے کا ڈائریکٹر جنرل ایک یہودی تھا جسے بادشاہ وقت نے بڑی منتیں کر کے اپنے ہاں بلایا تھا۔ یہی یہودی شخص مجاہد مسلمانوں کے لیے طرح طرح کی سزائیں تجویز کرنے اور ان کو عملی جامہ پہنانے پر مامور

تھا۔اس نے اپنی ان سزاؤں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جرمنی کے ایک نازی جرمن کو جو کہ سفاکی اور درندگی میں اپنی مثال آپ تھا، اپنے تعاون و مددگار کے طور پر رکھا ہوا تھا۔اس مملکت کے بادشاہ نے ان سفاک درندوں کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ وہ مجاہد علمائے اسلام کے ساتھ جس قدر گندے سے گندا اور بد سے بدتر سلوک یا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیں انہیں اس کی مکمل آزادی تھی اور ان درندوں سے اس مملکت میں اس حوالے سے کوئی پوچھ گچھ کرنے کا مجاز نہ تھا۔

(لعنة الله على الظالمين)

حبشہ سے کچھ اور مثالیں

فرانس اور برطانیہ نے اپنے استعماری مقاصد کے لیے مسلم اریٹریا پر حبشہ کا قبضہ کروا دیا۔ حبشہ کے مسیحی حکمرانوں اور مسیحی شہنشاہ نے وہاں کے مسلم عوام پر جو مظالم ڈھائے اور ان سے ان کی جائیدادیں ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھا کر چھینیں اور انہیں سُن کر کوئی بھی انصاف پسند انسان اظہارِ نفرت کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آیئے!...... ان مسیحی حکمرانوں کے چند ایک مکروہ اور گھناؤنے ''کارناموں'' سے ہم آپ کو آگاہ کریں۔

حبشہ کے حکمرانوں نے مسلم اریٹریا پر قبضہ جما لینے کے بعد سب سے پہلا جو کارنامہ انجام دیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے وہاں کے مسلمانوں کی جائیدادیں ضبط کر لیں اور اُنہیں حبشہ کے مسیحی جاگیرداروں کی تحویل میں دے دیا۔ انہوں نے ہر پادری اور ہر جاگیردار کو اس امر کا پروانہ دے دیا کہ وہ حکومت کی اجازت یا اس کی اطلاع دیئے بغیر جس بھی مسلمان کو چاہیں قتل کر سکتے ہیں۔ اس کی جائیداد اس سے چھین سکتے ہیں اور اگر مسلمان مزاحمت کریں تو حکومتی مشینری، (پولیس، فوج اور انتظامیہ) پر فرض قرار دے دیا گیا کہ وہ ان مسلمانوں کا سر کچلنے کے لیے پادری اور جاگیردار کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرے۔ اس طرح کی اس بہیمانہ غارت گری سے مسلمانوں کی جدائیدادوں اور ان کی جانوں اور عزت و آبرو کو بے پناہ نقصان پہنچایا گیا۔ کیونکہ مسیحی پادریوں اور جاگیرداروں نے کسی بھی قانونی گرفت یا پوچھ گچھ کے خوف سے اپنے آپ کو بالکل آزاد سمجھ لیا تھا۔ اس لیے ظلم و ستم روا رکھنے میں وہ کسی طرح بھی بخل سے کام لینے کے روادار نہ تھے۔ لہٰذا وہ مسلمانوں کو ان کی جائیدادوں سے محروم کرنے، بے گناہوں کو مارنے پیٹنے اور نہتے کسانوں کو پھانسیوں پر لٹکانے میں بڑے جری اور بے باک تھے۔ بلکہ مسلمانوں کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرنے کے لیے وہ مسلسل و پیہم گھات میں بیٹھے رہتے تھے۔ پھر ان لوگوں نے مسلمانوں کے لیے اجتماعی نوعیت کے خوفناک اور پر تشدّد

عقوبت خانے بھی کھول رکھے تھے۔ وہاں پر وہ مسلمان کسانوں پر ایسے ایسے کوڑے برساتے تھے کہ جن کا وزن دس کلوگرام سے بھی کہیں زیادہ ہوتا تھا۔ پھر مسلمان کسانوں کو شدید اور خوفناک سزائیں دینے کے بعد ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر جیل خانوں کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بے رحمانہ انداز میں ڈال دیا کرتے تھے۔ یہ بیچارے دس دس بارہ بارہ سال تک ان عقوبت خانوں میں گلتے سڑتے رہتے تھے۔ کوئی ان کے بارے میں ان ظالموں کا محاسبہ تو کجا سوال کرنے کی بھی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ حتیٰ کہ حکومت کو بھی اگر اطلاع ملتی تو وہ بھی اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا کرتی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ کارروائیاں کرنے والے ان کے اپنے مسیحی بھائی ہیں۔ جب کبھی ان عقوبت خانوں سے ان بیچارے مسلمان کسانوں کے باہر نکلنے کی کوئی صورت پیدا ہوتی اور وہ اس طرح باہر نکلتے تو اُس وقت ان کی یہ حالت ہوتی تھی کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہوسکتے تھے کیونکہ ان تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں قید رہنے کی وجہ سے ان کی کمریں کمان کی طرح ٹیڑھی ہوچکی ہوتی تھیں۔

یہ سب کچھ تو حبشہ کی جانب سے اریٹریا کے مسلمانوں کے ساتھ اس وقت روا رکھا جا رہا تھا جب تک ابھی ہیلی سلاسی کو حبشہ کا تخت و تاج بطورِ شہنشاہ عطا نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن جب ہیلی سلاسی کو حبشہ کا تخت و تاج عطا کیا گیا تو اس نے پندرہ سال کے اندر اندر وہاں کے مسلمانوں کے نام و نشان کو مٹا دینے کا منصوبہ بنایا اور افسوسناک بات تو یہ ہے کہ اس نے اپنے اس منصوبے کو امریکہ کی کانگریس کے سامنے بڑے فخر و مباہات کے انداز میں بیان کیا لیکن امریکی کانگریس کے کسی ایک رکن نے بھی اس پر ناپسندیدگی یا ناراضگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

اس شہنشاہ نے اپنے دورِ حکومت میں مسلمانوں کو بے دست و پا اور ذلیل و رسوا کرنے کے لیے طرح طرح کے ظالمانہ قوانین جاری کیے۔ ایک قانون یہ تھا کہ جب بھی کسی مسلمان کے سامنے کوئی حکومتی ملازم آ جائے تو مسلمان کے لیے واجب ہے کہ وہ اس ملازم سرکار کے سامنے رکوع کے لیے جھک جائے اور ملازم سرکار جو بھی اسے حکم دے وہ اس کی تعمیل بجالائے حتیٰ کہ اگر وہ اسے قتل بھی کرنا چاہے تو وہ آگے سے ہاتھ نہ اُٹھائے۔

اس شہنشاہ نے معمولی معمولی وجوہ کی بناء پر مسیحی حکمرانوں کو مسلمانوں کا خون بہانے کی

عام اجازت دے رکھی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک پولیس کے سپاہی کی لاش ایک مسلمان بستی کے قریب پائی گئی۔ بس پھر کیا تھا حکومت نے پوری ایک ڈویژن فوج وہاں بھیج دی جس نے وہاں جا کر بستی کا محاصرہ کر لیا اور تمام افراد کو گرفتار کر کے ان کے حیوانات کو بھی اپنی تحویل میں لے لیا۔ جب ان افراد نے وجہ پوچھی کہ ان کی بستی کا کیوں محاصرہ کیا جا رہا؟...... تو تمام افراد کو بمعہ ان کے حیولنات کے مار دیا اور بعد میں اس پوری کی پوری بستی کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ ستم ظریفی دیکھئے بعد میں پتہ چلا کہ اس سپاہی کو اس کے اپنے ہی ایک دوست نے قتل کیا تھا کیونکہ اس سپاہی نے اپنے اس دوست کی بیوی کے ساتھ اپنا منہ کالا کیا تھا۔ جب یہ خبر اس علاقے میں پہنچی تو ایک مسلمان عالم عبدالقادر الشیخ نے اس خبر کے موصول ہوتے ہی مسیحی حکمرانوں کے خلاف ان کی وحشت و بربریت پر احتجاج کرتے ہوئے اس علاقے میں زبردست انقلاب برپا کر دیا۔ اس نے حکومت سے اس جرم کا بدلہ چکانے کے لیے قرب و جوار کے مسلمان مردوں کو اپنے گرد جمع کر لیا اور حکومت کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کے لیے وہ تمام لوگ قریب کے جنگلات میں روپوش ہو گئے۔ حکومت کو جب ان کے بارے میں پتہ چلا تو اس نے ان کی سرکوبی کے لیے ایک بہت بڑی فوج بھیجی۔ اس فوج نے سب سے پہلے ان کے اردگرد کی مسلمان بستیوں کا محاصرہ کیا، پھر انہوں نے مسلمانوں کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو ان کے گھروں سے اغوا کر لیا، پھر ان کے گھاس پھوس کے جھونپڑوں پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی اور اس طرح مکانوں اور مکینوں دونوں ہی کا صفایا کر دیا۔

ان انقلابیوں کے گھروں اور بیوی بچوں کو اس طرح تباہ و برباد کر دینے کے بعد ان فوجیوں نے اصل انقلابیوں کا جنگلات میں تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ جس جس انقلابی پر ان فوجیوں کا قبضہ ہو جاتا تھا یہ اُسے قتل کرنے سے قبل اسے طرح طرح کی سزائیں دیتے تھے۔ ان سزاؤں میں سے ایک سزا یہ تھی کہ ان کی آنکھوں اور کانوں میں سگرٹیں بجھایا کرتے تھے۔ ان کے سامنے مسلمانوں عورتوں اور بچیوں کو دور دراز کے علاقوں سے پکڑ کر لاتے اور ان انقلابیوں کے سامنے ان معصوم اور بے گناہ بچیوں اور عورتوں کی عزت و آبرو کی عصمت دری کیا کرتے تھے۔ وہ ان کے خصیوں پر بندوقوں کے بٹ مار مار کر انہیں خصی کر دیتے تھے۔

بعض اوقات انہیں دندانے دار سلاخوں یا شکنجوں میں کس دیتے تھے جس کی وجہ سے ان کا گوشت جسموں سے جدا ہو کر پارہ پارہ ہو جاتا تھا۔اس طرح بعض اوقات انہیں زخمی کر کے ہاتھ پاؤں باندھ کر درندوں کے سامنے ڈال دیا کرتے تھے تاکہ یہ بے بس انسان درندوں کے سامنے کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہ کر سکیں۔

شہنشاہ ہیلی سلاسی نے مسلمانوں کے تمام مدارس اور تعلیم گاہوں کو مکمل طور پر جبراً بند کر دیا تھا اور ان کی جگہ مسیحی مدارس کھول دیئے تھے اور مسلمانوں کو ہر طرح سے مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ لازمی طور پر اپنے بچوں کو تعلیم و تربیت کے لیے انہیں مسیحی مدارس ہی میں داخل کرائیں تاکہ وہ اس طرح اسلام کو ترک کر کے مسیحیّت کو قبول کرنے کا شرف و اعزاز حاصل کر سکیں۔

شہنشاہ ہیلی سلاسی نے مسلم اریٹریا کے علاقوں میں ڈپٹی کمشنر اور صوبوں کے گورنر ایسے بد کردار افراد مقرر کر رکھے تھے جو کہ حکومتی منصوبوں اور عہدوں کو لوٹ کھسوٹ، رشوت خوری اور حرام کاری کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ان میں سے ایک بد کردار شخص وہ تھا کہ جسے شہنشاہ ہیلی سلاسی نے جمہ کمشنری کا کمشنر مقرر کیا تھا۔اس بد کردار کمشنر نے چارج سنبھالتے ہی سب سے پہلے اپنا جو نادر شاہی فرمان جاری کیا وہ یہ تھا کہ جب تک کسانوں کو حکومت کی جانب سے پیشگی اجازت نامہ حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک وہ اپنے درختوں سے نہ تو پھل اتار سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی فصلیں کاٹ سکتے ہیں۔اکثر اوقات یہ حکومتی اجازت نامے حاصل کرتے کرتے اس قدر تاخیر ہو جاتی تھی کہ پھل اور فصلیں اپنے اپنے مقام پر کھڑی کھڑی تباہ و برباد ہو جاتی تھیں۔ پھر اس ظالم کمشنر نے یہ فرمان جاری کر دیا کہ چونکہ مسلمان پھلوں کی نگہداشت نہیں کرتے اور نہ ہی وہ وقت پر فصلیں کاٹتے ہیں لہٰذا مسلمانوں کی زمینیں ان سے لے کر بحق سرکار ضبط کی جارہی ہیں۔اس طرح مسلمان زمینداروں کی توے زمینیں ان سے لے کر بحق سرکار ضبط کر لیں۔ پھر اس ظالم کمشنر نے نصف زمینیں تو اپنے قبضے میں لے لیں اور بقیہ نصف زمینیں بادشاہ کے کھاتے میں ڈال دیں۔

پھر مسلمان زمینداروں کی زمینیں ان سے اس طرح چھین لینے کے بعد اس ظالم کمشنر نے مسلمان کسانوں سے ہر طرح کی جائیداد از قسم مکانات اور حیوانات بھی بحقِ سرکار چھین لی۔

اس ظالم کمشنر نے اپنی کمشنری کے اندر ایک عظیم الشان چرچ تعمیر کرنے کا مسلمانوں کو حکم دیا۔ مجبوراً ان مسلمانوں کو یہ چرچ تعمیر کرنا پڑا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس ظالم نے ہر بستی اور ہر شہر کے عین درمیان میں مرکزی مقام پر چرچ تعمیر کرنے کے احکام جاری کر دیئے۔ مسیحیّت کی اس خدمت کے ساتھ ساتھ اس نے مساجد کے ارد گرد شراب اور رانڈی خانے بھی جبراً بنوائے۔ ان شراب خانوں میں مسیحی فوجی نہ صرف شراب پیتے اور زناء کرتے تھے بلکہ بعض اوقات یہ فوجی قریب کی مساجد کے اندر جا کر پیشاب، پاخانہ کر دینے میں کوئی شرم یا عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ بعض اوقات یہ بے شرم فوجی رنڈیوں کو مساجد کے اندر لے آتے اور انہیں ناچ نچواتے، شراب پیتے اور زناء کرتے اور رقص و سرور سے دل بہلاتے تھے۔ ایک دفعہ اس ظالم کمشنر نے یہ حکم بھی جاری کر دیا کہ مسلمان کسان اپنی تمام گائیں لازمی طور پر ایک یہودی فرم انکودا کو جس قیمت پر وہ چاہے فروخت کر دیں۔

بادشاہ سلامت کو کمشنر کے ان سیاہ کارناموں کا براہِ راست علم تھا لیکن اس بے رحم بادشاہ کو اپنے مقرر کردہ اس ظالم کمشنر کے ان ظالمانہ کارناموں پر کوئی ندامت نہ تھی بلکہ بادشاہ سلامت نے اس کی ان ''خدماتِ جلیلہ'' کا اعتراف کرتے ہوئے اس بدکردار شخص کو اپنا وزیر داخلہ بنا لیا تھا۔

پھر ہر اس مسلمان کا جس کے پاس اسلامی تہذیب و ثقافت کے بارے میں معلومات یا کوئی واقفیت ہوتی تو شہنشاہ کی حکومت اس کا تعاقب کرنا اپنا فرض سمجھتی تھی، تاکہ اُسے کسی نہ کسی بہانے جیل خانے میں ڈال سکے، تاکہ آخر کار یہ جیل ہی میں پڑا پڑا مر جائے اور اسلامی تعلیمات کا یہ سرمایہ کسی دوسرے مسلمان کی طرف منتقل نہ کیا جا سکے۔ اگر اس کا گرفتار کرنا مناسب نہ ہوتا تو اسے اریٹریا سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا جاتا تھا، تاکہ اس طرح وہاں کے مسلم عوام جاہل رہ کر مسیحی شہنشاہ اور مسیحی حکمران قوم کے غلام بن کر رہ جائیں۔ [1]

[1] کفاح دین از علامہ محمد الغزالی صفحات: ۶۰، ۸۰

بنگلہ دیش

ہندوستانی افواج جن کی قیادت وراہنمائی یہودی کمانڈر کر رہے تھے انہوں نے ۱۹۷۱ء میں پاکستانی فوج پر غالب آ جانے کے بعد کم وبیش دس ہزار علماء کو قتل کیا اور دینی مدارس کے ہزار ہا طلبہ کو بھی تہہ تیغ کیا اور اسی طرح ہر اس حکومتی ملازم کو جس کے اندر اسلامی تہذیب و ثقافت کا کوئی اثر انہیں نظر آیا، اُسے بھی قتل کر دیا۔ اس طرح اس ظالم اور سفاک فوج نے تقریباً بیس ہزار سرکاری ملازمین کو ذبح کر ڈالا۔ پھر تقریباً ۵۰ ہزار علماء وطلباء (کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلباء) کو اس نے اپنا قیدی بنا لیا۔ اسی طرح تقریباً وہ ۲۵ ہزار مسلمان جو کہ ہندوستان، برما، سیلون وغیرہ سے ہجرت کر کے مشرقی پاکستان میں جنگ سے قبل پناہ لے چکے تھے ان ظالم افواج نے ان سب کا بھی صفایا کر دیا۔ اسی طرح ہندوستانی افواج نے مشرقی پاکستان میں مختلف بنکوں اور سرکاری مراکز سے خود لوگوں کے گھروں سے بھی تقریباً تیس کروڑ روپے کے پاکستانی نوٹ یا تو لوٹ لیے یا انہیں نذر آتش کر دیا۔

نام نہاد بنگلہ دیش کے اندر ہندوستانی افواج نے بے گناہ اور نہتے عوام پر جو ظلم اور تشدد کیا اور وہاں کے بے گناہ بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ جو وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا اور جس طرح انہیں اپنے مظالم اور ہوس رانیوں کا نشانہ بنایا اور ہزار ہا بے گناہ مسلمان عورتوں پر جو مظالم ڈھائے اور ان کی جو عصمت دری کی ان سب چیزوں کے بیان سے ہم نے جان بوجھ کر قلم روک لیا ہے کیونکہ اس کے لیے ایک مستقل دفتر درکار ہے۔[1]

عالم اسلام میں اس طرح کے واقعات وحوادث اس کثرت کے ساتھ پیش آئے ہیں اور وہ اس قدر تعداد میں زیادہ ہیں کہ ان سب کو یکجا کسی ایک کتاب میں بیان کرنا ناممکن ہے اور پھر یہ بات بھی ہے کہ ان واقعات میں ذکر کیے جانے والے مظالم اتنے بھیانک اور دردناک

---

(۱) مأساة بنگله دیش از محمد خلیل، صفحات: ۱۹ تا ۲۳

ہیں کہ ان کے بیان سے دل رزنے اور دماغ پھٹنے لگتے ہیں۔اس لیے ان کو بیان کرنے یا انہیں ضبط تحریر میں لانے کی تاب ہم میں نہیں ہے۔لیکن ہم اُمید ہی نہیں یقین کامل رکھتے ہیں کہ اب ان شاء اللہ ایسے المناک واقعات اور تکلیف دہ حادثات سے نجات پانے کی ابتداء ہو چکی ہے۔یہ واقعات وہ کوڑے ہیں کہ جنہوں نے عالم اسلام پر صدہا سال سے مسلّط جاہلیت وجہالت اور غفلت وتساہل کی پیدا کردہ نیند کو آہستہ آہستہ زائل کرنا شروع کر دیا ہے۔ہم نے جو اور جتنے واقعات اس کتاب میں درج کیے ہیں اگر عالمِ اسلام کے ارکان اور بالخصوص نوجوان طبقے نے انہیں ذرا ہوش اور دانشمندی کے ساتھ پڑھ لیا اور صدق واخلاص کے ساتھ ان حالات سے نکلنے کے لیے مناسب تدابیر کو بروئے کار لانے کے لیے وہ باوفا ہو کر آمادۂ عمل ہو گئے تو عالمِ اسلام کے مُردے بھی قبروں سے نکل کر یوم النشور کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا شروع کر دیں گے۔

﴿ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا کر دکھانا کچھ بھی مشکل نہیں۔''

ان واقعات کو پڑھ کر عام مسلمان کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مغرب نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو دشمنانہ نقطۂ نظر اور معاندانہ طرزِ عمل اختیار کر رکھا تھا کیا وہ اب تک باقی ہے یا وہ ایک عارضی، ہنگامی، جذباتی اور انتہا پسندانہ نقطۂ نظر تھا جو اَب ختم ہو چکا ہے؟......

اس سوال کا جو جواب ہمیں تاریخی حقائق اور قوموں کی نفسیات اور فلسفۂ تاریخ سے حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یورپ کا وہ طرزِ عمل عارضی یا ہنگامی نوعیت کا نہیں تھا بلکہ وہی طرزِ عمل، نقطۂ نظر اور موقف آج تک یورپی انسان، اس کے فکر، اس کی عقل اور نفسیات پا چھایا ہوا ہے اور یورپی اربابِ فکر ودانش اور اربابِ سیاست اور اصحابِ حکومت کے قلوب واذہان پر اس کا پوری طرح غلبہ ہے اور ان تمام افراد نے اس نقطۂ نظر کو بڑے گہرے غور وفکر کے بعد اختیار کیا ہے اور انہوں نے اپنی تمام ذہانت وفطانت کو اس موَقف میں پوری طرح کھپا دیا ہے۔یورپ والوں نے اس کے لیے بڑی لمبی منصوبہ بندی کی ہے اور ان کے دل ودماغ، اس

نقطۂ نظر کی صحت وصداقت سے پوری طرح مطمئن ہیں اور انہوں نے یہ مؤقف جان بوجھ کر اور سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ وہ بڑی مضبوط، دانش مندی اور مضبوط ارادے اور مستحکم منصوبہ بندی کے ساتھ اسے آگے بڑھانے کے لیے دن رات مصروفِ تگ وتاز ہیں۔

❀ اب مذکورہ بالا سوال سے بھی ہمیں زیادہ اہم جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ یورپ نے یہ طرزِ عمل کیوں اختیار کر رکھا ہے؟......اس کے اسباب وعوامل کیا ہیں؟......اس کی وہ کون سی مجبوریاں ہیں جن کی بناء پر وہ یہ معاندانہ طرزِ عمل اختیار کرنے پر مجبور ہے؟...... آنے والے صفحات میں ہم اس اہم سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

❀ البتہ اس سوال کے جواب کے آغاز ہی میں ایک گزارش کر دینا شاید فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ ہم اس سوال کے جواب میں جو کچھ کہیں گے وہ یورپی مفکرین، اربابِ سیاست اور اصحابِ حکومت کی آراء اور اقوال کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ ہم ان اقوال پر اپنی جانب سے کوئی اضافہ نہیں کریں گے اور نہ ان سے کوئی نتائج اخذ کرنے کے دوران کوئی حاشیہ آرائی کریں گے اور نہ ہی اس ضمن میں اپنے اجتہاد سے کام لیں گے۔ تاکہ اس طرح یورپ کا مؤقف اور ہمارا نقطۂ نظر معروضی انداز میں اپنے اپنے دلائل کے ساتھ قارئین کے سامنے واضح ہو سکیں۔ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا روزِ روشن کی طرح ان کے سامنے واضح ہو جائے۔ اور اس طرح یورپ اور خود ہمارے وہ افراد جو یورپ کے افکار پر ایمان لا چکے ہیں ان کا مؤقف، طرزِ عمل اور طریقۂ کار قارئین کے سامنے پوری طرح نمایاں ہو جائیں۔

اسی طرح جو نام نہاد مسلمان حکمران اور قائدین ومفکرین اپنا دین وایمان یورپ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں ان کا مؤقف بھی مسلمان اُمت اچھی طرح سمجھ لے اور یہ بھی وہ اچھی طرح جان لے کہ یورپ کے یہ ایجنٹ اپنے ہی ہاتھوں اپنی ملّت کے ہاں پائے جانے والے زندگی بخش عوامل اور عناصر کو تباہ و برباد کرنے کے لیے اپنے آپ کو کیوں گروی رکھے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح اُمّتِ اسلامیہ جان لے کہ یورپ جو کہ عالمِ اسلامی کو ہڑپ کرنے اور اس کے وسائل کا استحصال کرنے میں صدیوں سے مصروف ہے اس کے اصل اسباب ومحرکات کیا ہیں؟......تاکہ

وہ اس کے مقابلے میں اپنے نصب العین کو حاصل کرنے کے شعور سے بھی بہرہ ور ہو اور راستے کی مشکلات سے بھی واقف ہو اور مشکلات سے نجات پانے کے الٰہی منصوبے سے بھی باخبر ہو۔

اُمّتِ مسلمہ کے لیے یورپ سے کہیں زیادہ یورپ کے یہ ایجنٹ زیادہ خطرناک ہیں۔ ان کے منصوبے مکروہ اور گھناؤنے ہیں۔ یہ بد بخت اپنی ہی اُمت اور ملّت کی تباہی و بربادی کے لئے دن رات مصروفِ جدوجہد ہیں۔ یہ بد بخت چاہتے ہیں کہ مسلم عوام کو ہاتھ پاؤں باندھ کر اور اس کے دل و دماغ کو مفلوج کر کے یورپ کے بدطینت وحشی اور درندہ صفت انتہائی حریص اور لالچی استعمار کے سامنے ڈال دیں، تاکہ یورپی استعمار اُمّتِ مسلمہ کو اپنا شکار کر کے پہلے اس کے گوشت اور خون سے اپنے آپ کو موٹا تازہ کرتا رہے اور آخر میں چند ٹکڑے اور اپنی چچوڑی اور چبائی ہوئی چند ہڈیاں ان کی طرف بھی پھینکتا رہے، تاکہ انہیں اپنی دلالی کا کچھ نہ کچھ حقِ خدمت تو حاصل ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ یورپ کے ظلم واستبداد سے امّتِ مسلمہ کو نجات پانے کی توفیق عنایت فرمائے اور اس کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے بھی پہلے وہ عالمِ اسلام میں پائے جانے والے ان بے ضمیر خائن اور بے وفا یورپی ایجنٹوں کو پہچان کر ان سے نجات پانے میں کامیاب ہو، کیونکہ اس کامیابی کے بعد ہی یورپی استعمار اور اس کے ظلم و استبداد سے نجات پانے کی راہیں اس کے سامنے روشن ہو سکیں گی۔

آمین یارب العالمین

اسلام کے بارے میں مغرب کا نقطۂ نظر

۱ صلیبی جنگیں ابھی جاری ہیں:

یورپ اور عالمِ اسلام میں قائم تعلقات جس اساس و بنیاد پر قائم ہیں اس کو سمجھ لینا بہت ضروری ہے۔ ان تعلقات کی اصل بنیاد اب تک یہی ہے کہ یورپ آج بھی اس امر پر یقین رکھتا ہے کہ اس کے اور عالمِ اسلام کے مابین صلیبی جنگیں ختم نہیں ہوئیں بلکہ یہ ابھی تک جاری ہیں۔ جہاں تک ہمارے اس دعوے کے لیے ثبوت و دلیل کا سوال ہے تو اس کا جواب مشاہیر یورپ کی اپنی تحریروں کے اقتباسات کی شکل میں پیشِ خدمت ہے:

◇ امریکی پالیسیاں جس بنیاد پر بنائی جاتی ہیں وہ یہی اصول ہے کہ یورپ اور عالمِ اسلام کے مابین صلیبی جنگیں ابھی تک جاری ہیں۔ اس امر کی وضاحت مسٹر آئی یوجین روستو کے اس بیان سے ہوتی ہے جو کہ اس نے امریکی وزارتِ خارجہ کے منصوبہ بندی کے شعبہ کے صدر کی حیثیت سے جاری کیا تھا۔ یہ شخص منصوبہ بندی کے شعبہ کا صدر ہونے کے ساتھ ساتھ نائب وزیرِ خارجہ بھی تھا اور مشرقِ وسطیٰ کے معاملات کے لیے ۱۹۶۷ء تک امریکہ کے سابق صدر جانسن کا مشیرِ خاص بھی تھا۔ اس کا بیان اس طرح ہے:

"ہمیں یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ ہمارے اور عرب اقوام کے مابین پائے جانے والے اختلافات مجرّد دو مختلف ریاستوں یا مختلف قوموں کے مابین پائے جانے والے اختلافات نہیں ہیں بلکہ یہ اختلافات دراصل اسلامی اور مسیحی تہذیبوں اور ثقافتوں کے مابین پائے جانے والے اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات دراصل صدیوں پر محیط اسلام اور مسیحیت کے مابین پائی جانے والی کش مکش کا نتیجہ ہیں۔ یہ کش مکش ہمیشہ آتش فشاں لاوے کی طرح برقرار رہی ہے کبھی کوہِ آتش فشاں کی

طرح اوپر کی سطح پر اور کبھی زیرِ زمین سلگتی ہوئی آگ کی طرح۔ بہر حال یہ کش مکش اب تک کسی نہ کسی صورت میں موجود رہی ہے اور قریباً ڈیڑھ سو سال سے اسلام اگرچہ یورپی غلبے کے سامنے سرنگوں ہو چکا ہے اور اگرچہ اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی میراث بھی اس مدت میں مسیحی میراث وثقافت کی بالادستی کے سامنے اپنا سر جھکا چکی ہے لیکن اس کے باوجود یہ کش مکش ختم نہیں ہوئی۔''

آگے چل کر یہ شخص اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہے:

''آج کے تاریخی حالات بڑی وضاحت کے ساتھ اس امر کو نمایاں کر رہے ہیں کہ امریکہ مغربی دنیا کا ایک کامل اور مکمل حصہ ہے۔ یہ غربی فلسفے، عقیدے اور نظامِ حیات غرضیکہ زندگی کے ہر پہلو میں مغرب کا کامل اور مکمل حصہ ہی نہیں بلکہ اس کا بہتر ترجمان اور نمائندہ بھی ہے۔ لہٰذا امریکہ کی یہ پوزیشن اس کے لیے اس امر کو لازم قرار دیتی ہے کہ وہ اس اسلامی مشرقی دنیا (جو کہ اسلام کے فکر وفلسفہ اور عقیدہ ونظام کی نمائندہ ہے) کے بارے میں معاندانہ نقطۂ نظر اور مؤقف اختیار کیے رکھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ امریکہ اسلام کے حوالے سے معاندانہ مؤقف کے سوا کوئی اور دوسرا مؤقف اختیار ہی نہیں کر سکتا اور اس کے لیے یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ وہ مغربی اور صیہونی ریاست (اسرائیل) کے بارے میں غیر دوستانہ رویہ اختیار کرے کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں اسے اپنی زبان اپنے فلسفے، اپنی ثقافت، اپنی فکری بنیادوں اور اپنے اداروں سب کی نفی کرنی پڑے گی۔''

یہی مصنف اپنے موقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''یورپی استعمار کا مشرقِ وسطیٰ میں اس کے سوا اور کچھ مقصد نہیں ہے کہ اسلامی تہذیب وثقافت کو ہر ممکن طریقے سے تباہ وبرباد کر دیا جائے اور اس مقصد کے لیے اسرائیلی ریاست کا قیام اور اس کی سلامتی واستحکام، امریکہ کا نصب العین اور اس کی منصوبہ بندیوں کا لازمی جزو ہے۔ گویا مختصر الفاظ میں اپنے مؤقف کی وضاحت یوں کر سکتا ہوں کہ ہم امریکیوں کی منصوبہ بندیوں کی اصل اساس اور بنیاد اس کے سوا کچھ

نہیں ہے کہ ہم یورپ والوں اور مسلمانوں کے مابین صلیبی جنگوں کو ہر قیمت پر جاری رکھا جانا چاہئے۔"[1]

۲ مسٹر لبنی کا بیان:

مسٹر پیٹرسن سمتھ اپنی کتاب "مسیح کی عوامی زندگی" میں لکھتا ہے کہ اگرچہ صلیبی جنگیں ہماری نسبت سے کامیاب نہ ہوسکیں لیکن ان کے بعد ایک بہت بڑا واقعہ وقوع پذیر ہوا جب برطانیہ نے اپنے آٹھویں صلیبی حملے کا آغاز کیا۔ اس دفعہ اُسے بڑی شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ بے شک مسٹر لبنی نے جنگِ عظیم اول کے دوران بیت المقدس پر جو حملہ کیا تھا یہ دراصل صلیبی جنگوں کا آٹھواں اور آخری حملہ تھا۔[2]

یہی وجہ ہے کہ جنگ کے خاتمے پر تمام برطانوی اخبارات نے جب مسٹر لبنی کی تصویریں شائع کیں تو انہوں نے مسٹر لبنی کا وہ مشہور جملہ بھی تحریر کیا جو اس نے بیت المقدس کو فتح کرنے کے دوران اس میں بطورِ فاتح داخل ہوتے ہوئے کہا تھا۔ جملہ یہ تھا: "آج صلیبی جنگوں کا خاتمہ ہوا ہے۔"

ان اخبارات نے مسٹر لبنی کی تصویروں اور اس کے اس تاریخی جملے کے ساتھ ساتھ ایک دوسری خبر بھی شائع کی تھی جس سے روزِ روشن کی طرح یہ امر عیاں ہو جاتا ہے کہ مسٹر لبنی نے جس جملے میں اپنے دل کی ترجمانی کی تھی یہ صرف اسی کا نقطۂ نظر نہ تھا بلکہ تمام برطانوی حکمتِ عملی بھی اسی نقطۂ نظر پر قائم تھی۔ اخبارات نے یہ دوسری خبر اس طرح شائع کی کہ صلیبی جنگوں کے آخری مرحلہ میں زبردست فتح حاصل کرنے پر معزز جرنیل لبنی کو برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان بمعہ اس کے وزیرِ خارجہ اور وزیرِ اعظم کے، زبردست مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اخبارات نے پارلیمنٹ کی کارروائی شائع کرتے ہوئے کہا کہ برطانوی وزیرِ خارجہ مسٹر الائیڈ جارج نے مسٹر لبنی کے حملے کو صلیبی جنگوں کا آٹھواں حملہ قرار دیا اور اُسے فتح حاصل

---

(۱) معركة المصير، صفحات: ۸۷ تا ۹٤

(۲) مجلة الطليعة القاهرية شماره: دسمبر: ۱۹٦٦ء ص: ۸٤

کرنے پر اسے بمعہ اُس کی افواج اور رفقائے کار کے زبردست اور شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا اور اُسے صلیبی جنگوں کے فاتح کے لقب سے نوازا گیا۔

۲ امریکہ اور برطانیہ کی طرح فرانس بھی یورپ اور عالمِ اسلامی کے مابین پائے جانے والے تعلقات کو صلیبی جنگوں ہی کے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔

فرانسیسی جرنیل غورو جب ملکِ شام کو فتح کر لینے کے بعد دمشق پہنچا اور ترکی افواج اس کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال چکیں تو وہ فوراً دمشق میں موجود اموی جامع مسجد میں پہنچا کیونکہ وہاں غازیٔ اسلام صلاح الدین ایوبیؒ کی قبر مبارک ہے۔ اس نے اس قبر پر لات مارتے ہوئے کہا: ''او صلاح الدین اُٹھ اور دیکھ کہ ہم اپنی شکستوں کا بدلہ لے چکے ہیں اور تیری سر زمین پر بطور فاتح لوٹ آئے ہیں۔''(۱)

اس طرح اہل فرانس میں صلیبی جنگوں کی جو روح موجود ہے وہ اس وقت کے فرانسیسی وزیرِ خارجہ کے اس بیان سے بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے جو اس نے اس وقت جاری کیا تھا جب اس سے فرانسیسی پارلیمنٹ کے ارکان کے ایک وفد نے ملاقات کی تھی اور مطالبہ کیا تھا کہ مراکش میں ہم فرانسیسیوں نے جو جنگ و جدال کا معرکہ برپا کر رکھا ہے اسے ہمیں ترک کر دینا چاہئے۔ وفد کے اس مطالبے کا جواب دیتے ہوئے فرانسیسی وزیرِ خارجہ نے کہا یہ معرکہ نہیں رُکے گا کیونکہ یہ فرانس اور مراکش کے مابین نہیں لڑ جا رہا بلکہ یہ ہلال اور صلیب کے مابین برپا شدہ معرکہ ہے جسے اس کے منطقی انجام پر جا کر ختم ہونا چاہئے۔(۲)

۳ شمعون اور ضرب الکتائب بھی لبنان اور موجودہ جنگ کو صلیبی جنگ ہی قرار دیتے ہیں۔ لبنان سے چھپنے والا پرچہ ''العمل'' کہ جس کی پالیسیوں کی نگرانی بشیر الجمیل کرتا ہے اس کے صفحہ اوّل پر ہمیشہ یہی لکھا ہوتا ہے کہ:

''لبنان کی خانہ جنگی ہو یا باقاعدہ جنگ یہ دراصل صلیبی جنگوں ہی کا تسلسل ہے۔''

۵ ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس جب دوبارہ مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن گیا تو اس واقعہ پر یورپی مفکرین نے جو کچھ کہا اور لکھا وہ بھی اس امر کی زبردست دلیل ہے کہ یورپ والے

---

(۱) القومية والغزوالفكری ص: ۸۴ (۲) مأساة مراكش ص: ۳۱۰

عالمِ اسلامی کے خلاف اپنی صلیبی جنگوں کو ابھی تک جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اس ضمن میں مسٹر چرچل نے کہا:

''بیت المقدس کو اسلام اور مسلمانوں کے غلبے سے رہائی دلانا ہم مسیحیوں اور یہودیوں دونوں ہی کا مشترکہ خواب یا نصب العین تھا۔ لہٰذا اس کے رہا کرائے جانے پر جو خوشی مسیحیوں کو حاصل ہوئی ہے وہ یہودیوں کی خوشی سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ بہر حال ہم سب کے لیے یہ امر انتہائی طور پر خوشی کا باعث ہے کہ اب بیت المقدس اسلام اور مسلمانوں کے ہاتھ سے رہا ہو چکا ہے۔''

اس موقعہ پر یہودیوں کی کانگریس (الکنیست) نے تین قرار دادیں پاس کیں۔ ان تینوں میں انہوں نے جس امر پر سب سے زیادہ زور دیا وہ یہ تھا کہ:

''بیت المقدس کو اب یہودی بیت المقدس میں ضم کر دینا چاہئے اور آئندہ مسلمانوں کے ساتھ جتنے بھی مذاکرات ہوں ان میں یہ اُصول ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جانا چاہئے کہ اس بیت المقدس کو اب دوبارہ کسی قیمت پر بھی مسلمانوں کو واپس نہیں کیا جانا چاہئے۔''①

③ صیہونیوں کے اقوال:

جب اسرائیلی افواج ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس میں داخل ہوئیں تو تمام اسرائیلی فوجی دیوارِ گریہ کے پاس جمع ہو گئے اور انہوں نے موشے دایان کے ساتھ مل کر اس طرح نعرے لگائے:

آج کا دن خیبر کے دن کا بدلہ ہے۔ خیبر کا انتقام لیا جا چکا ہے۔ اس نعرے بازی کو جاری رکھتے ہوئے انہوں نے مزید نعرے لگائے۔ محمد ﷺ کا دین دُم دبا کر بھاگ گیا۔ انہوں نے مزید نعرہ لگایا: محمد ﷺ کا اب انتقال ہو گیا ہے اور وہ اپنے پیچھے صرف بیٹیاں چھوڑ رہا ہے۔ العیاذ باللہ۔

اس تمام صورتِ احوال نے ہمارے ایک اسلامی شاعر محمد الفیتوری کو ایک شاندار لیکن

① حرب الایام الستة از جرجار ص: ۱۲۹

غمناک قصیدہ لکھنے پر مجبور کیا۔اس نے اپنے اس قصیدے میں رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرتے ہوئے یوں عرض کیا ہے کہ:

''اے میرے آقا! اے میرے آقا!

آپ ﷺ پر تا ابد بہترین صلوٰۃ وسلام نازل ہوتا رہے۔ایک ایسی اُمت کی جانب سے جواب تباہ و برباد ہو چکی ہے۔اسے ظلم،ظلمت اور تباہی و بربادی کی علمبردار تہذیب وثقافت (یورپی تہذیب وثقافت) ٹھوکروں پر ٹھوکریں لگا رہی ہے۔

اے میرے آقا!

اگر چہ ہم نے دریاؤں پر بند باندھے ہیں اور سمندروں کو عبور کیا ہے،لیکن اس کے باوجود اب آپؐ کے اور ہمارے مابین رکاوٹیں حائل ہو چکی ہیں اور ان رکاوٹوں کی وجہ سے آپ ﷺ کے اور ہمارے مابین اس جدائی اور ان فاصلوں نے ہم پر موت طاری کر دی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اب ہمیں یہودیوں کے مویشی بھی اپنے پاؤں تلے روندتے چلے جا رہے ہیں۔''[1]

⟐ ۷ اسرائیل یورپ کی اس جنگجویانہ صلیبی ذہنیت سے بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے۔عرب اسرائیل کی وہ جنگ جو ۱۹۶۷ء میں لڑی گئی اس جنگ سے بہت پہلے اسرائیل کے حامی اور اس کے سرپرست افراد اور جماعتیں پیرس میں بڑے بڑے جلوس نکالا کرتی تھیں۔انہوں نے اپنے ہاتھوں میں بڑے بڑے کتبے اور بینر اٹھا رکھے ہوتے تھے۔ان مظاہرین کے ساتھ جان پال سارتر بھی شریک ہوا کرتا تھا۔ان کتبوں یا بینرز پر جو نعرے لکھے ہوتے تھے اور اسی طرح وہ نعرے جو ان صندوقچیوں پر لکھے جاتے تھے جو کہ اسرائیل کے لیے امداد اور چندے جمع کرنے کے لیے مختلف مقامات پر رکھی گئی تھیں۔ان نعروں میں جو نعرہ زیادہ پُرکشش اور پرزور لگا جاتا تھا وہ یہ ہوتا تھا:''آؤ یورپ والو!...... ہم سب محاذوں پر مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ لڑیں۔ان مظاہروں اور جلوسوں کی وجہ سے مغرب میں پوشیدہ صلیبی آگ کی طرح بھڑک اُٹھی

[1] الشعب والارض ج۱، ص: ۳۷، درس من النکبة الثانیة ص: ۷۶

اور فرانسیسیوں نے صرف چار دن کے ان مظاہروں میں ایک کروڑ فرانک کی مالیت کا چندہ بطور مالی امداد کے اسرائیل کے حضور پیش کیا۔ (اس طرح اسرائیل نے بھی اس موقع پر مالی امداد حاصل کرنے کے لیے بانڈز اور سرٹیفکیٹس جاری کیے۔ ان سب پر تحریر تھا ''ہلال کی شکست کے لیے'' یہ بانڈز اور سرٹیفکیٹس بھی لاکھوں فرانک کے بیچے گئے۔ اس طرح صیہونیوں کو دل کھول کر مدد پہنچائی گئی۔ کیونکہ یہ صیہونی مسلمان علاقوں کے اندر صلیبی جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں اور یورپ کی جنگجویانہ صلیبی روح کی تسکین کا سازوسامان فراہم کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان کی امداد کر کے یورپ اپنا فرض ادا کر رہا ہے تاکہ اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کو جاری رکھا جا سکے۔ گویا کہ یورپ اسرائیل کی ہر طرح کی مالی و مادی امداد اس لیے کر رہا ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہے اور اس میں کسی غفلت یا تساہل کے برتنے کو بالکل غلط سمجھتا ہے۔ (1)

(1) طريق المسلمين الى الثورة الصناعية ص: ٢٠، ٢١

اسلام ایک آہنی دیوار

اب ہمارے سامنے ایک اور اہم سوال ہے اور وہ یہ کہ کیا یورپ (بمعہ امریکہ اور روس) عالمِ اسلام پر بالفعل کوئی صلیبی حملہ تو کرنے والا نہیں ہے۔؟[1] ...... یہ سوال ان تاریخی حالات و اسباب کو ذہن میں رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ ان حالات و اسباب کی وجہ سے یورپ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ سے برسرِ پیکار چلا آ رہا ہے اور یورپ کو اسلام سے اس لیے بھی نفرت ہے کہ اسلام نے مسیحیّت سے اس کی اقوام اور ان کے دارالحکومتوں کو چھین لیا ہے اور وہاں کے عوام اور ان کی اقوام کو اپنے حلقۂ اثر میں داخل کر کے انہیں اپنے عقائد سے وابستہ کر رکھا ہے۔صرف اتنی ہی بات نہیں بلکہ ان حالات و اسباب کے علاوہ کچھ اور ایسے عوامل بھی ہیں جو کہ یورپ کو عالمِ اسلام کے خلاف صلیبی جنگیں لڑنے پر مجبور کر رہے ہیں۔

مغربی مفکرین اور اربابِ قیادت کے بیانات سے ان عوامل کی صاف طور پر نشاندہی ہو جاتی ہے کہ جن کی بناء پر یورپ والے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مسلسل و پیہم صلیبی جنگوں کا ماحول اور صلیبی ذہنیت جاری رکھنے پر مجبور ہیں۔ہم چاہتے ہیں کہ آئندہ صفحات میں ان میں سے بعض عوامل کی واضح نشاندہی کر دیں، تاکہ ہمارے معزز قارئین سطح پر پائے جانے والے واقعات کے پس پردہ کارفرما حقیقی اسباب و عوامل سے پوری طرح باخبر ہو سکیں۔

یورپ والوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی ہے کہ پوری دنیا پر ان کے مسلّط ہونے، اس تسلّط کو برقرار رکھنے، پوری دنیا کو اپنے مفادات کی منڈی بنانے اور اسے

---

[1] اب یہ بات ثبوت کی محتاج نہیں اس لیے کہ امریکہ و یورپ افغانستان، عراق اور سوڈان پر حملہ آور ہو چکے ہیں اور اس وقت عراق کے ملک پر اور افغانستان پر اس کی فوجوں نے قبضہ کر لیا ہے جبکہ مجاہدین اس کے خلاف جہادی کارروائیوں میں مصروف ہیں۔بہرحال امریکہ و یورپ کے عالم اسلام کے خلاف جذبات، منصوبے کھل کر دنیا کے سامنے آ گئے ہیں۔
نقاش، ۲۱/ستمبر ۲۰۰۲ء

اپنے ہی مفادات اور مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہنے کے راستے میں اہم ترین اور بنیادی رکاوٹ جو سدِ سکندری سے بھی بڑھ کر ہے وہ صرف اور صرف اسلام ہی ہے۔ وہ یقین کی حد تک اس بات کو جانتے ہیں کہ ان کے استعمار کے راستے میں جو دیوار حائل ہے وہ صرف اسلام ہے۔ دیکھئے یورپی مفکرین اس حقیقت کی طرف کس وضاحت کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں۔

لارنس براؤن:

لارنس براؤن لکھتا ہے کہ اسلام ہی وہ آہنی دیوار ہے جو کہ ہم یورپ والوں کے استعمار کے راستے میں بُری طرح حائل ہے۔ (۱)

گلیڈ اسٹون:

گلیڈ اسٹون جو کہ برطانیہ کا بڑا با اثر وزیرِ اعظم رہ چکا ہے اور وزارتِ عظمیٰ سے قبل امورِ خارجہ اور وزارتِ دفاع کا قلمدان بھی اس کے پاس رہ چکا ہے۔ یہ گلیڈ اسٹون کہتا ہے کہ:

''جب تک یہ قرآن مسلمانوں کے دلوں یا دماغوں میں حکمران رہے گا اس وقت تک یورپ اسلامی مشرق کو نہ تو اپنے قبضے میں لا سکتا ہے اور اگر اسے اپنے قبضے یا تسلط میں لے بھی آئے تو وہ اپنے اس تسلط کو زیادہ دیر تک برقرار نہیں رکھ سکتا۔'' (۲)

◇ ایک فرانسیسی گورنر نے ایک ایسی تقریب میں خطاب کیا جو کہ الجزائر پر فرانس کے سو سالہ اقتدار کے مکمل ہو جانے کی خوشی کا جشن منانے کے حوالے سے منعقد کی گئی تھی۔

اس تقریب سے خطاب کرتے ہوئے اس فرانسیسی گورنر نے یوں گوہر افشانی کی تھی:

''ہم الجزائر پر کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں اپنے غلبے کو برقرار نہیں رکھ سکتے جب تک کہ الجزائری مسلمان قرآن پاک پڑھتے رہیں گے اور عربی زبان بولتے رہیں گے۔ لہٰذا ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم اُن کے دل ودماغ سے قرآن پاک کا وجود محو کر دیں اور عربی لُغت کو ان کی زبانوں سے کاٹ کر نکال باہر کریں۔'' (۳)

---

(۱) التبشیر والاستعمار ص: ۱۸۴ (۲)(۳) المنار شمارہ: ۱۹۶۲-۱۱-۹

۲ روسیوں کا بھی یورپ والوں کی طرح یہ پختہ عقیدہ ہے کہ کمیونزم کے فروغ کے راستے میں حائل آہنی دیوار اسلام ہی ہے اس کے لیے یہ شہادت ہی کافی ہے کہ ازبکستان کی اشتراکی پارٹی اپنا ایک روز نامہ ''کیزیل ازبکستان'' شائع کرتی ہے۔اس روز نامے نے اپنے ادارتی صفحہ پر ۲۲رمئی ۱۹۵۲ءکو اپنے ایڈیٹر کا جو اداریہ شائع کیا تھا اس میں وہ مدیر موصوف یوں رقمطراز ہے کہ:

''اسلام کو نیست و نابود کیے بغیر کمیونزم کے لیے ازبکستان میں ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام میں کہیں بھی جڑیں پکڑ سکنا ناممکنات میں سے ہے۔'' (۱)

۳ بالکل اسی طرح یورپ کے مسیحیوں کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے کہ مسیحیت کے فروغ اور یورپی استعمار کے اثر ونفوذ کے راستے میں آہنی رکاوٹ یا دیوار اسلام ہی ہے اس ضمن میں چند ایک یورپی مفکروں اور مسیحی مشنریوں کے اقوال پیشِ خدمت ہیں۔ایک یورپی مبشر کا کہنا ہے کہ:

''وہ قوت جو کہ اسلام میں پوشیدہ ہے دراصل وہ طاقت ہے جو کہ سدِّ سکندری کے طور پر ایک ناقابل تسخیر دیوار کی حیثیت سے فروغِ عیسائیت کے راستے میں حائل ہے اور یہی وہ قوت ہے کہ جس نے ان بے شمار ممالک کو جو کہ کل تک مسیحیّت کے ماتحت تھے، انہیں مسیحیّت کی آغوش سے نکال کر اپنے اندر جذب کر کے انہیں اپنے ماتحت بنا رکھا ہے۔'' (۲)

اسی طرح اشعیا بومان نے اپنا وہ مشہور مقالہ جو کہ اس نے مجلۃ العالم الاسلامی التبشریۃ میں شائع کرایا تھا اس میں وہ یوں رقمطراز ہے:

''اس طرح کا آج تک کوئی اتفاق نہیں ہوا کہ اسلام کو قبول کرنے والی کسی بھی قوم نے دوبارہ اپنے آپ کو حلقہ بگوش مسیحیّت کر لیا ہو۔'' (۳)

روس کے ایک سابق وزیر اعظم (یعنی آنجہانی خروشوف) نے ایک دفعہ الجزائر کے

---

(۱) الاسلام والتنمیۃ الاقتصادیۃ ص: ۵۶
(۲) حذور البلاء، ص: ۲۰۱
(۳) التبشیر والاستعمار، ص: ۱۳۱

انقلابیوں کے ایک وفد سے گفتگو کرتے ہوئے یوں اظہارِ خیال کیا تھا:

''اسلام اپنی انقلابیت کا تحفظ کرتا رہے گا کیونکہ اسلام انقلابی عوام اور انقلابی اقوام کا دین ہے۔ یہی وہ دین ہے کہ جسے یورپ کے جنگجویانہ صلیبی ذہنیت کے ہاتھوں جنگوں اور کٹھنائیوں کا آج تک مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔''(۱)

(۴) یورپ والوں کو یقین ہے کہ صیہونیت اور اسرائیل کے ثبات واستحکام کے راستے میں حائل رکاوٹ اور اس حوالے سے اصل خطرہ دراصل اسلام ہی ہے۔

اس ضمن میں اسرائیل کے ایک سابق وزیرِ اعظم بن گوریان کا بیان اس طرح ہے:

''میں بڑی شدت سے ایک چیز کا خطرہ محسوس کرتا ہوں اور ہم میں سے کون ہے جو اس چیز کا خطرہ محسوس نہیں کرتا کہ ایسا نہ ہو کہ کل کلاں کوئی عالمِ عرب یا عالمِ اسلام میں نیا محمدؐ ظہور پذیر ہو جائے۔''(۲)

اسی طرح ایک عرب کمانڈر کی وہ شہادت بھی بڑی اہم ہے جو اس نے ۱۹۴۸ء میں یہودیوں کی قید سے رہا ہونے پر دی تھی۔ یہ عرب کمانڈر ۱۹۴۸ء کی عرب، یہود جنگ کے دوران گرفتار ہو گیا تھا۔ بعد میں قید کے دوران اس کے ساتھ بہت نرمی کا برتاؤ کیا گیا اور رہائی سے ذرا پہلے اس کے ساتھ یہودی کمانڈر نے جو گفتگو کی اس گفت وشنید کو وہ عربی مصری کمانڈر اس طرح بیان کرتا ہے:

مصری آفیسر: ''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ لوگوں نے صُور باہر نامی بستی پر کیوں حملہ نہیں کیا؟...... حالانکہ یہ بستی تو القدس کے بہت ہی قریب واقع ہے۔

اسرائیلی کمانڈر نے کافی دیر تک اپنا سر جھکائے رکھا اس کے بعد سر اٹھایا اور یوں گویا ہوا کہ میں آپ کو بڑی وضاحت کے ساتھ دوٹوک انداز میں اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں

---

(۱) القومية والغزو الفكري ص: ۸۸

(۲) جريدة الكفاح الاسلامی شمارہ اپریل دوسرا ہفتہ ۱۹۵۵ء:

''ہمارے اعتقاد کی روح سے رسول اللہ ﷺ کا مثیل وعدیل پوری کائنات میں ہے ہی نہیں کہ اسکی آمد کا کوئی امکان ہو۔ البتہ غلامانِ مصطفیٰ کا ظہور روبروز ممکن ہی نہیں بلکہ ہر وقت مطلوب ہے۔''

کہ ہم نے اس بستی پر اس لیے حملہ نہیں کیا کہ وہاں پر متعصب مسلمان رضا کاروں کی ایک حد تک مناسب تعداد موجود تھی۔

مصری فوجی افسر یہ جواب سُن کر دہشت زدہ سا ہو گیا اور اس نے اسی خوف و دہشت کے عالم میں فوراً ہی اس اسرائیلی کمانڈر سے پوچھا کہ پھر کون سی بات تھی کہ آپ نے ان مذہبی رضا کاروں پر حملہ نہ کیا جب کہ آپ لوگ مختلف مواقع پر بڑی بڑی فوجی جماعتوں پر بڑے مشکل اور کٹھن حالات میں حملہ آور ہو چکے تھے؟......

اسرائیلی کمانڈر نے یہ سُن کر اس مصری فوجی افسر سے کہا کہ آپ کا یہ کہنا صحیح ہے لیکن ہمارا تجربہ ہے کہ یہ متعصب مسلمان رضا کار باقاعدہ سرکاری طور پر لڑنے والی افواج سے بالکل مختلف مزاج اور طبیعت کے مالک ہوا کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ہمارے خلاف جنگ کرنا کوئی ایسی ڈیوٹی نہیں ہوتا، جسے اوپر والے افسروں کے احکام کی تعمیل اور ان کی رضا کے لیے انجام دینا ضروری ہو۔ اس کے برعکس یہ لوگ اس جنگ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ایسا فریضہ سمجھتے ہیں کہ جس میں لڑتے لڑتے شہید ہو جانے کی ان کی سب سے بڑی تمنا ہوتی ہے، اس لیے یہ لوگ لڑنے مرنے کی جانب بڑی بہادری اور مجنونانہ وارفتگی کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔ اس طرح ان لوگوں کی حالت ہمارے ان لشکروں سے ملتی جلتی ہوتی ہے جو اپنے پختہ عقیدے کی بنیاد پر اسرائیل کی حمایت کے لیے میدانِ جنگ میں کود پڑتے ہیں لیکن ان مسلمان رضا کاروں اور ہمارے فوجیوں کے مابین ایک بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ ہمارے فوجی ایک ایسے وطن کے قیام کے لیے لڑ رہے ہوتے ہیں جس میں وہ زندہ رہ سکیں۔ اس کے برعکس یہ مسلمان رضا کار اس لیے لڑ رہے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ کے راستے میں مر کر شہید ہو سکیں۔ یہ لوگ جنون کی حد تک بڑی شدّت کے ساتھ شہادت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ جب یہ لوگ جنگ کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں تو یوں نظر آتا ہے کہ یہ لوگ انسان نہیں شیاطین ہیں۔ ایسے لوگوں پر حملہ کرنا بہت بڑے خطرے کو مول لینا ہوتا ہے۔ ان لوگوں پر حملہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی انسان کسی ایسے جنگل پر حملہ آور ہو جو کہ وحشی درندوں سے بھرا پڑا ہو۔ آپ کو علم ہونا چاہیے کہ ہم ایسی خوفناک مہم جوئی کو کسی قیمت پر نہ تو پسند کرتے ہیں اور نہ ہی

اس کے روادار ہو سکتے ہیں۔ پھر ایسے لوگوں پر حملہ کرنا اپنے اندر ایک اور بہت بڑا خطرہ بھی چھپائے ہوئے ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسے حملے کی خبر جب دوسرے مسلمان علاقوں تک پھیلے گی تو وہاں بھی ان ہی کی طرح کے جنونی نوجوان سروں پر کفن باندھ کر میدانِ جہاد میں کود پڑیں گے اور اس طرح ہمارے لیے جینا مشکل کر دیں گے۔ اس طرح وہ تو اپنے مقاصد حاصل کر لیں گے لیکن ہماری ہر چیز تباہ و برباد ہو جائے گی۔

مصری فوجی افسر اسرائیلی کمانڈر کے اس جواب کو سُن کر بظاہر مبہوت سا ہو گیا لیکن اس نے گفتگو کو جاری رکھا تا کہ وہ اسرائیلی کمانڈر کی زبان سے اس حقیقی سبب کو سُن سکے جس کی وجہ سے یہودی ان مسلمان رضا کاروں سے اس حد تک خوفزدہ ہیں۔

مصری افسر نے اس سے کہا کہ آپ واضح طور پر مجھے اپنی رائے سے آگاہ کریں اور یہ بتائیں کہ ان مسلمان رضا کاروں کو آخر کیا مصیبت لاحق ہو گئی ہے کہ یہ موت کو پسند کرنے لگے ہیں اور وہ کون سی قوت یا جذبہ ہے جس نے انہیں ایک ایسی سرکش شیطانی قوت میں تبدیل کر دیا ہے جو ہر معقول چیز کے لیے خطرہ بن گئی ہے؟......

اسرائیلی کمانڈر نے بڑے بھولے پن سے جواب دیا کہ وہ سبب جناب افسر، خود دین اسلام ہی تو ہے۔ پھر ذرا ہچکچاتے ہوئے اس نے اپنے اس جواب کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی اور اس کے بعد وہ اپنے اس قول کی وضاحت اس طرح کرنے لگا:

ان لوگوں کو اس طرح تعلیم یافتہ ہونے کا موقع یا فرصت حاصل نہیں ہو سکی۔ جس طرح کی فرصت آپ جیسے روشن خیال اور تعلیم یافتہ افراد کو حاصل ہوئی ہے۔ اس لیے یہ لوگ مسائل و معاملات کا دانش مندی اور حکمت کے ساتھ مطالعہ کرنے سے بالکل کورے ہیں، اس لیے زندگی کے حقائق کی جانب سے ان کی آنکھیں بند ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو نہ تو ابھی تک خرافات سے آزاد کرا سکے ہیں اور نہ ہی دین کے سوداگروں کی واہیات ہی سے یہ اپنا دامن چھڑا سکے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ یہ لوگ ابھی تک اپنے آپ کو اس جنت کے خواب کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں جس کا اسلام نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جس کی یہ لوگ موت کے بعد حاصل ہو جانے کی تمنا کرتے ہیں۔

اس اسرائیلی کمانڈر نے اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا:

یہ متعصب رضا کارانِ اسلام امن وسلامتی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں کہ جس کو قائم کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا ہمارے لیے واجب ہے اور ہمارے اور تمہارے مابین پرامن تعلقات کے قیام کے لیے جو بھی کوشش کی جائے گی اس کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہی لوگ ہیں۔ اس نے اپنے موقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے اور اس خیال سے کہ شاید یہ مصری فوجی ایسے رضا کاروں کے خلاف لڑنے اور انہیں مار بھگانے کے لیے کم از کم ذہنی طور پر تیار ہو چکا ہے۔

اس نے کہا کہ جناب والا!...... یہ لوگ خود تمہارے لیے اور تمہاری حکومتوں کے لیے بھی ایک بہت بڑا خطرہ اور چیلنج ہیں کیونکہ تمہارے ممالک کے حالات بھی اس وقت تک مستحکم نہیں ہو سکتے جب تک ان لوگوں کے ''ناپاک وجود'' سے تمہاری زمین کو پاک صاف نہیں کر دیا جاتا اور جب تک راہِ خدا میں جہاد اور شہادت کی وہ چیخ وپکار اور شوروغل جوان رضا کاروں نے برپا کر رکھا ہے اسے ابدی موت نہیں سُلا دیا جاتا۔ ان لوگوں کی منطق بیسویں صدی کے لیے بالکل ناقابلِ قبول ہے۔ بیسویں صدی اُن کے بالکل مخالف ہے کیونکہ یہ صدی علم اور سائنس کی صدی ہے، یہ انسانی حقوق کی صدی ہے، یہ بین الاقوامی رائے عامہ اور اقوامِ متحدہ کی صدی ہے۔

اسرائیلی کمانڈر نے اپنی بات کو ختم کرتے ہوئے یوں کہا:

اے جنابِ والا!...... میں آپ کی ملاقات سے بہت خوش ہوا ہوں اور آپ سے یہ دو ٹوک گفتگو کرنے سے مجھے بہت ذہنی سکون حاصل ہوا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ ہم عنقریب ایک اور ملاقات کریں گے تاکہ ہم بھائی چارے کی ایک ایسی فضا قائم کر سکیں کہ جس میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ تعاون کر سکیں اور ہمارے اس برادرانہ بھائی چارے کو یہ متعصّب رضا کار تباہ و برباد نہ کر سکیں اور ان ہوس پرست رضا کاروں کا جذبۂ جہاد اور راہِ خدا میں شہید ہونے کا شوق ہمارے باہمی تعلقات اور تعاون کو کسی حوالے سے بھی کوئی نقصان یا گزند نہ پہنچا سکے۔ (1)

(1) مجلة المسلمون اٹھارہواں شمارہ جولائی: ۱۹۶۳ء

۵ یورپ والوں کی رائے ہے کہ اسرائیل کے وجود ہی میں اسلام پرست لوگوں کے وجود کو نیست و نابود کرنے کی ضمانت پائی جاتی ہے۔

ایک صیہونی مصنف (ایرل بوغر) اپنی کتاب ''العہد والسیف'' جو کہ ۱۹۶۵ء میں چھپی تھی اس میں ایک مقام پر یوں رقمطراز ہے:

''وہ بنیادی اصول یا اساس کہ جس پر پہلے دن سے اسرائیل کے وجود کا دارومدار ہے وہ یہ ہے کہ عرب ایک نہ ایک دن اسرائیلی ریاست کے ساتھ تعاون کرنے پر لازماً مجبور ہو جائیں گے لیکن اس تعاون کو ممکن بنانے کے لیے ان سب عناصر اور عوامل کا ختم کرنا واجب ہے جو عالمِ عربی میں اسرائیل کے خلاف دشمنی اور عداوت کے جذبات و احساسات کی آبیاری کرتے رہتے ہیں۔ یہ وہ رجعت پرست عناصر ہیں کہ جن کی نمائندگی دین اسلام کے علماء اور مشائخ کرتے ہیں۔''(۱)

۶ جس دن جمی کارٹر امریکہ کا صدر بنا اسی دن صبح کو اسحاق رابین نے جو بیان دیا اور جسے تمام اخباری ایجنسیوں نے بڑی شاہ سرخیوں سے شائع کیا وہ اس طرح تھا کہ:

''یہودی قوم کی اصل مشکل یہ ہے کہ دینِ اسلام ابھی تک اپنی سرکشی اور وحشت و بربریت اور توسیع پسندانہ عزائم سے باز نہیں آیا ہے اور وہ ہر طرح کا خطرہ مول لینے کے لیے ابھی تک تیار ہے۔ ابھی شاید ہمیں بہت وقت کے لیے انتظار کرنا ہوگا تا آنکہ کے لیے ابھی تک تیار ہے لہٰذا ابھی ہمیں کافی مدت تک انتظار کرنا ہوگا۔ شاید آگے چل کر کوئی ایسا وقت آجائے کہ اسلام اپنے ہاتھ سے تلوار کو ترک کر دے۔''(۲)

---

(۱) الاسلام فی المعترك الحضاری ص: ۲۸

(۲) مجلة المجتمع الكويتية ۳۲۴ نومبر ۱۹۷۶ء

یورپ کی اسلام دشمنی

یورپی قائدین اور اربابِ سیاست اپنے استعماری مقاصد کے حصول کے راستے میں اسلام کے ماسوا کوئی دوسری تہذیب و ثقافت یا نظریہ و نظام کو کوئی رکاوٹ خیال نہیں کرتے۔ لیکن اسلام کو وہ ایک آہنی دیوار تصور کرتے ہیں۔ انہیں اس امر کا یقین ہو چکا ہے کہ اسلام اپنی حقانیت اور صداقت کے حوالے سے خود یورپی ممالک کے عوام کے قلوب و اذہان میں دن بدن اپنے اثر و نفوذ پکڑنے کی وجہ سے ان کے لیے ایک مہیب خطرہ بنتا جا رہا ہے۔ ہم اپنے اس نکتہ کی وضاحت اور اس دعوے کی صداقت کے لیے نہایت معتبر اور ذمہ دار یورپی اصحابِ علم و حکمت اور رجالِ سیاست و حکومت کے کچھ اقتباسات یہاں نقل کرتے ہیں۔

۱ لارنس براؤن:

لارنس براؤن اسلام کے اس خطرے کے حوالے سے یوں رقمطراز ہے کہ:

''ہمارے قائدین، ہمارے عوام کو کسی طرح کے خطرات سے ڈرایا کرتے تھے لیکن جب ہم نے ذرا گہرائی میں اُتر کر ان کے بارے میں تحقیق و تفتیش سے کام لیا تو پتہ چلا کہ وہ سارے کے سارے خطرات اوہام و وساوس کے ماسوا کچھ نہ تھے۔ یہ قائدین ہمیں یہودیّت، زرد جاپانیت اور سُرخ اشتراکیت کے ہوؤں سے ڈرایا کرتے تھے لیکن جب ہم نے اپنے طور پر تحقیق و تفتیش کی تو پتہ چلا کہ یہ سب کچھ جھوٹ ہے کیونکہ یہودی تو ہمارے پکّے دوست ہیں، کیمونسٹ بھی ہمارے سچے حلیف ہیں، البتہ جاپانیوں کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ کسی حد تک کسی وقت ہمارے دشمن بن سکتے ہیں۔ لیکن خود جاپان ہی کے قرب و جوار میں ایسی بڑی بڑی جمہوریتیں موجود ہیں جو ہماری جانب سے ان جاپانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمارے لیے کفایت کر سکتی ہیں۔ لیکن ان سب موہوم خطرات کے برعکس جو چیز بالفعل ہمارے لیے خطرہ

ہے وہ صرف اسلام ہے۔اسلام ہی صحیح وحقیقی معنی میں ہمارے لیے، ہمارے وجود کے لیے، ہماری تہذیب وثقافت کے لیے حقیقی طور پر خطرہ ہے کیونکہ تنہا اسی کے اندر آگے بڑھنے، پھیلنے اور دوسری تہذیبوں اور ثقافتوں، دوسری اقوام اوران کے عوام کے قلوب واذہان کو مسخر کرنے اور انہیں اپنے زیرِ سایہ لانے اور اپنے اندر جذب کرنے کی بدرجہ اتم استعداد وصلاحیت پائی جاتی ہے۔مزید برآں یہ کہ زندہ رہنے اور دوسروں کو زندہ رکھنے کی جوقوت وصلاحیت اسلام میں پائی جاتی ہے وہ اپنی ذات میں بے نظیر اوراپنے اثرات کے حوالے سے تسخیر کُن ہے۔''(۱)

۲ گلیڈ اسٹون:

اسی طرح ہم یہاں پر مسٹر گلیڈ اسٹون (سابق وزیرِ دفاع، وزیرِ خارجہ اور وزیرِ اعظم برطانیہ) کے اس مقولے کو دوہرانا بھی مناسب خیال کرتے ہیں جس کا حوالہ اس سے پہلے بھی دیا جاچکا ہے۔مسٹر گلیڈ اسٹون نے برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

''جب تک یہ قرآن مسلمانوں کے ہاتھوں یاان کے قلوب واذہان میں موجود رہے گا اس وقت تک یورپ اسلامی مشرق پر اولاً تو اپنا غلبہ وتسلط قائم نہیں کرسکتا اور اگر قائم کر لے تو وہ اسے برقرار رکھنے میں زیادہ دیر تک کامیاب نہیں رہ سکتا۔حتیٰ کہ خود یورپ کا اپنا وجود بھی اسلام کی جانب سے محفوظ یا مصون نہیں رہ سکتا۔''(۲)

۳ گارڈنر:

ایک اور بہت بڑا مستشرق گارڈنر اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہے:

''وہ استعداد وصلاحیت وقوت جو کہ اسلام کے اندر مضمر ہے اسی کے اندر یورپ کے لیے حقیقی واصلی خطرہ پوشیدہ ہے۔''(۳)

---

(۱) التبشير والاستعمار ص: ۱٤۸
(۲) الاسلام على مفترق الطرق ص: ۳۹
(۳) التبشير والاستعمار ص: ۳۹

۴ ہانوتو:

اب رجالِ سیاست کے ایک نہایت کامیاب نمائندہ فرد یعنی فرانس کے ایک سابق وزیرِ خارجہ ہانوتو کے بیان کے ایک اقتباس پر غور فرمائیں، وہ کہتا ہے:

''روئے زمین پر کوئی ایسا علاقہ نہیں ہے کہ جہاں کسی نہ کسی صورت میں اسلام پہنچ نہ چکا ہو اور وہ وہاں کے لوگوں کے قلوب واذہان میں اُتر کر ان کے اوپر اپنا اثر ونفوذ قائم نہ کر چکا ہو کیونکہ تمام ادیان میں سے یہ صرف اسلام ہی ہے کہ جسے قبول کرنے کی لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں اس قدر کشش و جاذبیّت پائی جاتی ہے کہ اس حوالے سے کوئی بھی دوسرا دین اس کا ہم پلہ ہونے کا کوئی ادنیٰ ترین دعویٰ بھی نہیں کرسکتا۔''①

۵ البر مشادور:

اسی طرح ایک اور یورپی دانش ور اور سکالر البر مشادور اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہتا ہے:

''کسے معلوم کہ کل کلاں کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ تمام یورپی ومغربی ممالک مسلمانوں کی زد میں آ جائیں اور یوں نظر آنے لگے کہ جیسے مسلمان مغربی ممالک پر آسمانوں سے نازل ہو رہے ہیں تاکہ وہ ان پر دوبارہ چڑھائی کرسکیں۔''

یہ شخص اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ:

''میں کوئی نبی تو ہوں نہیں کہ پیش گوئی کرسکوں لیکن مذکورہ الصدر امکان امرِ واقعہ بن جانے کے اپنے اندر بے پناہ آثار وشواہد رکھتا ہے اور یہ امکان یا احتمال کسی وقت بھی حقیقت کا روپ دھار سکتا ہے اور جب یہ احتمال حقیقت کا روپ دھار کر ہمارے اوپر یلغار کرے گا تو اس کا مقابلہ کرنے یا اس یلغار کو روکنے میں نہ تو ہمارے میزائل کامیاب ہوسکیں گے اور نہ ہی ایٹم بم۔ میرے یورپی ہم وطنو!...... میری آواز توجہ

---

① الفکر الاسلامی الحدیث وصلته بالاستعمار ص: ۱۸

سے سنو!...... مسلمان بیدار ہو چکا ہے۔ دیکھو اس نے چیخنا شروع کر دیا ہے...... دیکھو وہ چیخ کرر کہہ رہا ہے کہ وہ موجود ہے اور یہ کہ وہ ہرگز مرا نہیں ہے۔ اور یہ کہ وہ کٹھ پتلی نہیں ہے کہ جسے یورپ کی استبدادی حکومتیں اور استعماری ایجنسیاں اپنے اشاروں پر اپنے اپنے مقاصد کے لیے ناچ نچواتی رہیں۔''①

⑥ اشیعا بومان:

اشیعا بومان جو کہ یورپ کا ایک معروف دانشور اور ایک جانی پہچانی شخصیت ہے۔ اس نے اپنا جو مقالہ '' مجلة العالم الاسلامي التبشيرية ''میں شائع کرایا تھا۔ اس میں اس نے یورپ کو اسلام کے خطرہ کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے تحریر کیا تھا کہ:

''یورپ کے لیے واجب ہے کہ وہ اسلام کو اپنے لیے خوف وخطرہ کا سبب قرار دے اور اسلام کو خوف وخطرہ کا سبب قرار دینا بلا جواز اور بلا اسباب نہیں ہے۔ ان اسباب میں سے صرف یہی سبب کافی ہے کہ اسلام اپنے ابتدائی ایام ظہور سے لے کر آج تک مسلسل و پیہم نہ صرف اپنا وجود باقی رکھے ہوئے ہے بلکہ وہ آگے بڑھ رہا ہے اور باقاعدگی کے ساتھ براعظموں کے براعظموں میں پھیلتا چلا جا رہا ہے اور اسلام سے خوف محسوس کرنے کا ایک اور اہم ترین سبب یہ ہے کہ اسلام کے اساسی و بنیادی ارکان میں سے ایک اہم ترین رُکن جہاد ہے۔''②

⑦ انطُونی ناتنج:

اسی طرح یورپ کی ایک اور علمی شخصیت ''انطونی ناتنج'' اپنی کتاب ''العرب'' میں یوں رقم طراز ہے:

''اُس وقت سے کہ جب محمد رسول اللہ (ﷺ) نے ساتویں صدی ہجری کے اوائل

① لم هذا الرعب كله من الاسلام للأستاذ جودت سعيد ص: ٥٥
② التبشير والاستعمار: ١٣١

میں اپنے ارد گرد اہل ایمان متبعین کو اکٹھا کیا اور جب سے اسلام نے اپنے فروغ و اشاعت کے بالکل ابتدائی اقدامات کیے ہیں۔ اُس وقت سے آج تک اہل ایمان میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ فروغ و اشاعت کے محاذ پر اسے کامیابیوں پر کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں۔ لہٰذا یورپ کے لیے واجب ہے کہ وہ اسلام کو ایک دوامی و ہمہ گیر قوت اور سخت و جاندار طاقت کے طور پر ایک خطرہ کی چیز تصور کرتا رہے اور اس کی قوت و طاقت کا صحیح طور پر اندازہ لگا کر اس کے سدِ باب کے لیے لازمی تدابیر اختیار کرتا رہے۔ یورپ کے لیے واجب ہے کہ وہ اسلام کے بارے میں اس حقیقت پر ہمیشہ نظر رکھے۔ یہ صرف اسلام ہی ہے جو بحر متوسط (Mediteranian Sea) کے آر پار کی اقوام کے قلوب و اذہان پر اپنی مضبوط گرفت رکھتا ہے اور یورپ کا بڑی قوت اور جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کر رہا ہے اور خود یورپ کو قدم قدم پر اس کے مقابلے میں دشواریوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔''[1]

۸۔ سالا زار:

آیئے!...... ذرا ہم آپ کی ملاقات سالا زار سے کرائیں۔ دیکھیے وہ ایک اخباری کانفرنس کو خطاب کر رہا ہے۔ آیئے!...... ذرا سُنیں وہ اپنے معزز صحافی سامعین کے سامنے بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ کس نکتہ کی وضاحت کر رہا ہے؟......

''ہماری یورپی تہذیب و ثقافت کے لیے وہ حقیقی خطرہ جس کے ظہور کا کسی وقت بھی امکان ہے، وہ خطرہ اسلام ہے۔ جس کا مظہر مسلمان ہیں اور یہ خطرہ اس وقت حقیقت کا روپ دھار کر یورپ کے سامنے آ دھمکے گا جب مسلمان موجودہ نظامِ عالم کو تبدیل یا اسے تہ و بالا کرنے کا عزم بالجزم کر لیں گے۔''

جب ایک انگریز صحافی نے اس سے سوال کیا کہ ایسا کیونکر ممکن ہے حالانکہ مسلمان تو باہمی اختلافات اور جھگڑوں ہی کے چنگل میں بری طرح گرفتار ہیں؟...... تو اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اس نے کہا: لیکن مجھے ڈر ہے کہ کل کلاں مسلمانوں میں کوئی ایسا شخص ظاہر

[1] الولايات المعازى اسم الغربى از وليم بولك والقومية والا بكرى ص: ٤٢

نہ ہو جائے جو مسلمانوں کو اپنے ان باہمی اختلافات کو نظر انداز کرنے پر مجبور کر دے اور پھر ان باہمی اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر وہ شخص مسلمانوں اور یورپ کے اختلافات کو سطح پر لے آئے اور پھر ان تمام اختلافات کا رُخ یورپ کی طرف پھیر دے۔ (۱)

⑨ فرانس کی وزارتِ خارجہ کے ایک ذمہ دار افسر نے ۱۹۵۲ء میں مسلمان اور یورپ کے اختلافات پر گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ جہاں تک میری معلومات کا یا میرے نقطۂ نظر کا تعلق ہے تو مجھے تو بادی النظر میں یورپ کے لیے مستقبل قریب یا بعید میں اشتراکیت کا کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس جو چیز ہم یورپ والوں کے لیے ایک مہیب اور تباہ کن خطرے کے طور پر ہمارے سروں پر منڈلا رہی ہے اور جو لازماً پورے یورپ کے لیے خطرہ بن کر ان کے اوپر مسلط ہو جانے والی ہے، وہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔ کیونکہ مسلمان ہماری دنیا سے بالکل ایک الگ تھلگ دنیا میں رہتے ہیں۔ وہ ایک آزاد اور خود مختار دنیا کے مالک ہیں۔ ان کے پاس ان کی اپنی ایک مخصوص ومنفرد عالمی ودائمی نوعیت کی تہذیبی وثقافتی، مادی وروحانی میراث موجود ہے، جو کہ اپنی ذات میں بالکل اصلی اور حقیقی ہے۔ لہٰذا مسلمان صحیح اور جائز طور پر اس امر کے حق دار ہیں کہ وہ عالمِ نو کی بنیادیں استوار کر سکیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو اس امر کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ یورپی تہذیب وثقافت کے اندر اپنی تہذیبی وثقافتی یا روحانی ومعنوی شخصیت کو ضم یا جذب کریں۔ اگر مسلمانوں کو صحیح اور وسیع طور پر صنعتی پیداوار کو پیدا کرنے کے لیے سازگار حالات اور مؤثر اسباب حاصل ہو جائیں تو وہ یقیناً ایک نئی دنیا تعمیر کرنے اور اسے اپنی شاندار وقیمتی تہذیب وثقافت منتقل کرنے پر کمربستہ ہو کر اپنے لیے ایک شاندار مستقبل تعمیر کر سکتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں مسلمان پوری دنیا پر چھا کر پوری دنیا سے یورپی تہذیب وثقافت کو جڑ بنیاد سے اُکھاڑ پھینکیں گے۔ اس طرح یورپی تہذیب وثقافت کو بمعہ اس کی اساس اور روح کے صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے اور اسے انجام کار آئندہ نسلوں کی عبرت کے لیے تاریخ کے عجائب گھر کی زینت بنا

(۱) جند الله ص: ۲۲

دیں گے۔ہم فرانسیسیوں نے مسلمانوں کا بہت اچھی طرح تجربہ کیا ہے۔ہم نے الجزائر میں ایک مدت سے اپنا قبضہ اور تسلط جما رکھا ہے۔ہم نے اپنی اس حکمرانی کے دوران ہر طرح کے وسائل کو بروئے کار لا کر دن رات ہر ممکن کوشش کی کہ مسلمانوں سے ان کی اسلامی شخصیت چھین لیں لیکن ہمیں بڑے افسوس اور ندامت کے ساتھ یہ اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ ہماری ان لمبی چوڑی اور شب و روز کی محنتوں کا انجام اور نتیجہ سوائے ہماری ناکامی و نامرادی کے اور کچھ نہیں نکلا۔اس فرانسیسی افسر نے مزید کہا کہ عالمِ اسلام صحیح معنی میں ایک ایسا جن ہے کہ جسے ہم یورپ والوں نے فی الحال مقید کر رکھا ہے۔یہ جن ہماری آہنی زنجیروں میں ابھی تک اس لیے گرفتار ہے کہ اس کی اصل حقیقت ابھی تک خود اس پر منکشف نہیں ہوئی ہے۔اس لیے وہ ابھی تک ہمارے سامنے دست بستہ حیران و پریشان کھڑا ہے لیکن اب اس نے آہستہ آہستہ اپنے اس موجودہ انحطاط اور ہمہ جہت پسماندگی کو نفرت و کراہیت کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا ہے اور اس کے اندر ایک بہتر اور شاندار مستقبل کے لیے کشش و جاذبیت بیدار ہو چکی ہے۔ اس نے اگرچہ مکمل طور پر سستی اور کسلمندی سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا ہے تو بھی کم از کم اس سے نجات پانے کی امنگ اس کے اندر انگڑائیاں لینے لگی ہے۔پس ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے اس کے اس نصب العین تک پہنچے سے روکنے کے لیے ہر ممکن تدبیر کو ربروئے کار لائیں۔اسے ہر طرح کا ساز و سامان عطا کریں تاکہ وہ صنعتی میدان میں ترقی نہ کر سکے۔کیونکہ اگر ہم مسلمانوں کو انحطاط و پسماندگی کے حالات میں مبتلا رکھنے کے نصب العین کو چھوڑ دیں گے اور اس طرح اس مقید جن کو اپنی جہالت، پس ماندگی اور عجز و احتیاج کی زنجیروں میں اُسے پختہ سے پختہ تر کرنے کے منصوبے میں ذرا بھی سُستی یا غفلت کا مظاہرہ کریں گے تو اس طرح اس جن کو صحیح معنی میں آزاد ہو جانے کا موقعہ اگر فراہم ہو گیا تو پھر اس کے نتیجہ میں ہماری ناکامیوں اور نامرادیوں کا بدترین دور شروع ہو جائے گا اور پھر اس طرح عالمِ عربی اور اس کے بعد اسلام کی بے پناہ طاقتوں کو ایک ایسا خطرہ تاریک و سیاہ رات کے طور پر ہمارے اوپر مسلط ہو جائے گا کہ

جس کے نتیجہ میں آخر کار یورپ کا غلبہ وتسلّط بالکلیہ ناپید ہو جائے گا۔ اور پھر اس غلبہ و تسلّط کے خاتمہ کے ساتھ یورپ کی اس قیادت و رہبری اور اس کی تہذیب و ثقافت کے وجود اور اس کے اس راہنمایانہ کردار کا بھی بالکلیہ خاتمہ ہو جائے گا جسے وہ آج پوری دنیا میں انجام دے رہا ہے۔[1]

⑩ یورپ کی ایک اور نامور شخصیت ''مورو برگر'' اپنی کتاب ''العالم العربی المعاصر'' میں اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہے:

''عربوں کی جانب سے خوف وخطرہ کا احساس اور اُمت عربیہ کے بارے میں ہمارے خصوصی اہتمامات کا سبب عربوں کے ہاں وافر مقدار میں پایا جانے والا پٹرول ودیگر مادی ومعنوی ذخائر نہیں ہیں بلکہ حقیقتاً اس خطرہ کا اصل سبب خود اسلام ہے۔ ہمارے لیے اسلام کے خلاف مسلسل وپیہم جنگ جاری رکھنا واجب ہے کیونکہ اسی صورت میں ہی ہم عربوں کی وحدت کے خواب کو شرمندۂ تعبیر ہونے سے روک سکتے ہیں۔ ہمیں یاد رہنا چاہیے کہ اگر عربوں کے اندر اسلام کی بنیاد پر وحدت پیدا ہو گئی تو اس سے عربوں کی قوت وطاقت میں کئی ہزار گنا اضافہ ہو جائے گا۔ پھر جب اس عرب کے ساتھ اسلامی قوت کا بھی الحاق ہو گیا تو یہ نہ صرف اسلام کی قوتوں اور طاقتوں میں بے پناہ اضافے کا سبب بن جائے گا بلکہ اس سے اسلام کی عزت و عظمت، شان وشوکت اور فروغ واشاعت کو بھی چار چاند لگ جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم اسلام کا براعظم افریقہ کے اندر فروغ پذیر ہونا سنتے ہیں تو اس سے یقیناً ہم سب خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔''[2]

⑪ اسی طرح فرانس کا وہی سابق وزیر خارجہ ''ھانوتو'' جس کا حوالہ اس سے پہلے بھی دیا جا چکا ہے۔ وہ اسلامی خطرہ کے موضوع پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

''باوجودیکہ ہمیں اُمتِ اسلام پر غلبہ وتسلّط حاصل ہے اور یہ اب مکمل طور پر ہمارے قبضہ وتصرّف میں ہے۔۔ لیکن اس کے باوجود اس کی جانب سے خطرہ کے امکانات

---

[1] جُند الله ص: ۲۲ [2] مجلة روز اليوسف شماره مورخه ۱۹۶۳-۶-۲۹

بالکلیہ معدوم نہیں ہوئے ہیں۔اس کے برعکس ان مقہورین کی جانب سے بغاوت کا کسی وقت بھی امکان موجود ہے۔اگرچہ ہم نے اس اُمت کے اوپر جوطرح طرح کے مصائب وآلام اور بلائیں نازل کی ہیں انہوں نے اسے داماندہ پس ماندہ بنا رکھا ہے لیکن اس سب کے باوجود اس کے اُٹھ کھڑا ہونے اور کسی وقت بھی آمادہ بغاوت ہو جانے کا بہر حال ہر وقت امکان موجود ہے کیونکہ ان تمام مصیبتوں اور آفتوں کے باوجود اُمت اسلام کے اندر سے عزم وارادے کے چراغ بالکل گُل نہیں ہوئے ہیں۔'' (۱)

(۱۴) الجزائر کے فرانسیسی استعمار سے آزاد ہو جانے کے بعد ''مڈریڈ'' میں ایک بہت بڑے فرانسیسی مستشرق نے اس عنوان کے حوالے سے ایک لیکچر دیا تھا کہ ہم فرانسیسی، الجزائر کے اندر باقی رہنے کے لیے کیوں سردھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے؟......اس نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی اور پوری وضاحت وصراحت سے اس کا جواب دیا۔اس کے جواب کا لب لباب یا خلاصہ کچھ یوں تھا کہ:

''فرانس نے اپنی پانچ لاکھ فوج کو الجزائر میں اس کی شراب، زیتون اور صحراؤں پر قابض رہنے کے لیے متعین نہیں کر رکھا تھا۔اس کے برعکس ہم اپنے آپ کو یورپ کی فصیل سمجھتے ہوئے یورپ کے دفاع کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآء ہونے کے لیے یہ خدمات انجام دے رہے تھے۔ہم جانتے تھے کہ الجزائر بحر متوسط کو عبور کر کے اور پھر اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو اپنے ساتھ شریک کر کے یورپ پر یلغار کر دے گا لہٰذا ہم اس کو یورپ پر یلغار کرنے سے روکے ہوئے تھے۔ہم جانتے تھے کہ اگر الجزائر نے بحر متوسط کو عبور کر لیا تو وہ دوبارہ اپنے گمشدہ اندلس کو ہم سے واپس لینے کے لیے سر توڑ کوششیں کرے گا۔پھر فرانس کے عین درمیان میں اپنا اثر ونفوذ پیدا کر کے ایک نئے معرکہ بواتیہ میں داخل ہو کر ہمارے خلاف گھمسان کی جنگ لڑتے ہوئے فتح وکامرانی حاصل کرنے کے قابل ہو جائے گا۔اس طرح وہ کمزور و پامال

(۱) الفکر الاسلامی الحدیث و صلته بالاستعمار ص: ۱۵

شدہ یورپ کو ہڑپ کر کے اس پر اپنا قبضہ وتسلّط جما لے گا۔اس طرح اُمویوں کے دور سے مسلمانوں کے ہاں جو خواب چلا آ رہا ہے کہ وہ بحرِ متوسط کو خالصتاً ایک اسلامی سمندر بنانا چاہتے ہیں۔اس طرح صدیوں پر محیط اس اسلامی خواب کو الجزائر اپنے مسلمان بھائیوں کے اشتراک وتعاون سے ایک زندہ وجیتی جاگتی حقیقت میں تبدیل کر دے گا۔یہ ہے وہ اصل سبب جس کی وجہ سے ہم فرانسیسی الجزائر پر مسلط رہ کر الجزائریوں کے خلاف مسلسل وپیہم یکہ وتنہا لڑ رہے تھے۔ ①

⑭ نومبر ۱۹۷۴ء کی بات ہے کہ فرانس کی اس وقت کے وزیرِ خارجہ سوفیا ینارک نے اسرائیل کا دورہ کیا اور اس دورے میں اس نے اسرائیلی حکمرانوں اور سیاست دانوں کے ساتھ کافی مفصّل اور مطوّل مذاکرات کیے۔اس کے بعد یہی وزیرِ خارجہ بیروت پہنچا اور وہاں پر اس نے پی ایل او کے قائد جناب یاسر عرفات سے بھی مذاکرات کیے۔ ان مذاکرات کے بعد یہ وزیرِ خارجہ جب لنڈن پہنچا تو وہاں لنڈن ریڈیو والوں نے اس کے انٹرویو لینے کا پروگرام رکھا۔انٹرویو لینے والوں نے آغاز ہی میں فرانسیسی وزیرِ خارجہ پر بڑے شدید لہجے میں تند وتیز تنقید شروع کر دی۔انٹرویو لینے والوں نے بالاتفاق اس امر کا اظہار کیا کہ فرانس اسرائیل کا دشمن بن کر عربوں کے موقف کو مؤید وحامی بن چکا ہے۔اسی لیے اس نے پی،ایل،او کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کر رکھے ہیں اور اس کے قائد یاسر عرفات کے ساتھ مذاکرات کرتا رہتا ہے۔حتیٰ کہ ان تبصرہ نگاروں نے فرانسیسی وزیرِ خارجہ کی ذات پر شدید نوعیت کے اعتراضات کیے اور اسے یورپ اور اسرائیل کا دشمن اور عربوں اور بالخصوص پی،ایل،او کا زبردست حامی قرار دیا۔انہوں نے فرانسیسی وزیرِ خارجہ سے پوچھا کہ وہ عربوں کا حامی اور مؤید نہیں ہے تو پھر وہ پی،ایل ،او کے سربراہ کے ساتھ ابھی ابھی بیروت میں مذاکرات کیوں کر چکا ہے؟...... یہ سب کچھ سُن کر فرانسیسی وزیرِ خارجہ نے اپنے جوابات کا آغاز کیا۔وزیرِ خارجہ نے پہلے تو تبصرہ نگاروں کے اس طرزِ عمل پر احتجاج کیا اس کے بعد اس نے کہا: اے میرے

---

① جريدة الايام ١٩٦٣ء

دوستو!...... تمہیں چاہیے کہ تم بھی فرانس کی طرح پی، ایل، او کو تسلیم کرلو۔ کیونکہ اگر تم نے اسے تسلیم نہ کیا تو اس کا نتیجہ انجام کار یہ برآمد ہوگا کہ عرب سارے کے سارے ہم یورپ والوں کے خلاف ہو جائیں گے اور پھر آخری حیلے اور حربے کے طور پر ہم سب کے خلاف جہاد شروع کردیں گے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس انٹرویو کو دوبارہ نہ کبھی لنڈن ریڈیو نے نشر کیا اور نہ ہی کسی عرب ریڈیو یا اخباری ایجنسی ہی نے اس کی اہمیت کی جانب کبھی کوئی اشارہ کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی یورپی ملک یا سیاست دان عربون یا مسلمانوں کے کسی مؤقف کی حمایت کرتا ہے یا ان کے بارے میں کسی نرم رویّے کا اظہار کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ عربوں یا مسلمانوں کا دل و جان سے بہی خواہ ہے بلکہ اس کا سبب یہ خوف ہوتا ہے کہ یورپ کی عرب اور اسلام دشمنی عربوں اور مسلمانوں کے اندر انجام کار روحِ جہاد کے بیدار ہو جانے کا سبب بن جائے گی اور اس طرح یہ عرب اور مسلمان مل کر مشترکہ طور پر یورپی تہذیب و ثقافت کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہوئے جہاد کا آغاز کردیں گے۔ اور یہ جہاد آخر کار یورپی دنیا کی تباہی اور مسلمانوں کی فتح و کامرانی پر منتج ہوگا۔ اسی خطرہ کے پیشِ نظر فرانس اس پالیسی کا قائل یا اس پر عمل پیرا ہے کہ عربوں کے ساتھ ذرا نرمی کے ساتھ کام لیا جائے اور دوسرے یورپی ممالک کو بھی عربوں کے ساتھ نرم رویّہ اختیار کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اس طرح مسلمانوں کے اندر روحِ جہاد کے بیدار ہونے کے امکانات کو بروئے کار آنے سے جہاں اور جب تک ممکن ہو روکا جاسکے۔

﴿۱۳﴾ ۱۹۷۶ء میں لنڈن میں ایک اسلامی نمائش کا اہتمام کیا گیا۔ اس نمائش کے افتتاح کی مناسبت سے لنڈن ریڈیو نے ۱۰ ر اپریل ۱۹۷۶ء کو ایک خصوصی پروگرام نشر کیا۔ اس پروگرام میں جو تقاریر اور بیانات نشر کیے گئے ان کا خلاصہ یہ تھا کہ:

''اب یہ تصور یا رائے مغربی دنیا میں عام ہوتی جا رہی ہے کہ اگر مسیحیّت یا مسیحیّوں نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اپنے سابقہ نقطۂ نظر میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کی اور دنیا میں موجود شر اور فساد کو ختم کرنے کے لیے انہوں

نے اسلام اور مسلمانوں کی جانب دست تعاون نہ بڑھایا اور وہ اپنی اسی سابقہ پالیسی اور رائے کے ساتھ چمٹے رہے کہ اسلام تو بذاتِ خود شر اور فساد کی قوتوں کا سب سے بڑا مصدر یا منبع ہے تو پھر مسیحیت اور مسیحیوں کو یہ بات اچھی طرح نوٹ کر لینی چاہیے کہ اس کا انجام کار نہ صرف پوری دنیا کے لیے بُرا ہوگا بلکہ یہ پالیسی بالخصوص خود مسیحیت کے لیے بھی تباہ کن ثابت ہوگی۔''

اسلام کو تباہ و برباد کرنے کی سازشیں

مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا نصب العین یورپ کے لیے ہمیشہ سے مرکزی اہمیت کا حامل رہا ہے لیکن اس کے حصول کے حوالے سے تدابیر اور طریق ہائے کار میں اس کے ہاں وقتاً فوقتاً تبدیلی آتی رہتی ہے۔ یورپ اس نتیجہ تک پہنچ چکا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس وقت تک تباہ و برباد نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اسلام کو نیست و نابود کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ لہٰذا اب یورپ والوں کے ہاں اولین ترجیح اس امر کو حاصل ہے کہ کسی نہ کسی طرح اسلام ہی کو بالکلیہ ختم کر دیا جائے۔ اب اس دعویٰ کے لیے چند ایک یورپی مفکرین اور سیاستدانوں کے اقوال پیش خدمت ہیں:

☆ ۱ ایک یورپی مفکر کہتا ہے:

''اب مسیحیّت اور موسویت دونوں...... ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر محمدیتؐ کا قلع قمع کرنے کے لیے پوری طرح مسلح ہو کر میدانِ عمل میں کود چکی ہیں اور اپنے اس مشترک دشمن کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ہر ممکن تدابیر اور وسیلے کو بروئے کار لانے کے لیے بڑی سنجیدگی سے غور و خوض اور منصوبہ بندی کر رہی ہیں۔''[۱]

☆ ۲ گارڈنر:

یہ مشہورِ زمانہ مستشرق اس حوالے سے یوں رقم طراز ہے:

''صلیبی جنگوں کا اصل مقصد صرف بیت المقدس کو آزار کرانا نہ تھا بلکہ ان کا اصل مقصد تو اسلام کو تباہ و برباد کرنا تھا۔''[۲]

---

(۱) استعباد الاسلام ص: ۱۴۴
(۲) التبشیر والاستعمار ص: ۱۱۵ جذور البالاء ص: ۲۰۱

۳ صلیبی جنگوں کے دوران مسیحی سپاہی جو ترانے گایا کرتے تھے ان ترانوں میں سے ایک ترانے کا ایک مشہور بند یہ ہوا کرتا تھا کہ:

''میں معلونِ اُمت کو تباہ و برباد کرنے کے لیے سر پر کفن باندھ کر جا رہا ہوں، تا کہ اس طرح میں دینِ اسلام کو تباہ و برباد کر سکوں۔ میں اس جنگ میں اس لیے شریک ہو رہا ہوں تا کہ اس طرح میں اسلام اور قرآن دونوں کو ہی صفحۂ ہستی سے نا پید کر سکوں۔''

۴ اس نعرہ پر بھی غور کریں جس کا ۱۹۶۷ء کو عرب اسرائیل کی جنگ میں اسرائیل نے پورے یورپ میں بڑے شد و مدّ کے ساتھ خوب پرچار کیا تھا اور جس کی گونج یورپی شہروں کی گلیوں اور بازاروں میں ہر جگہ سنائی دے رہی تھی۔ اسی طرح اس نعرے پر بھی ذرا کان دھریں جو کہ ان تمام یورپی مظاہرین کا ورد ہوا کرتا تھا جو گلیوں اور بازاروں میں اسرائیل کے حق میں اور عربوں کے خلاف دن رات جلوس نکالا کرتے تھے۔ نعرہ یہ تھا:

''اے یورپ والو!...... اُٹھو اور مسلمانوں کے خلاف یکبارگی طور پر بھرپور حملہ کر دو اور اسرائیل کی امداد کے لیے اس کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرو۔''

یورپ نے اس کا جو جواب دیا سابقہ ادوار میں اس کی مثال ملنا تقریباً ناممکنات میں سے ہے۔

۵ فلپ فواندی:

یہ فرانسیسی مستشرق اسلام کو تباہ و برباد کرنے کے حوالے سے اپنے نقطۂ نظر کی اس طرح وضاحت کرتا ہے کہ:

''فرانس کے لیے واجب ہے کہ وہ اس جدید دنیا میں اسلام کا بھرپور طریقے سے مقابلہ کرے۔ اسلام دشمنی کی پالیسی پر اسے صبر و استقامت کے ساتھ نہ صرف ڈٹا رہنا چاہیے بلکہ اسے آگے بڑھنا چاہیے اور نہیں تو کم از کم فروغ و اشاعت اسلامی کو

روکنے کے لیے تو اُسے اپنا بھرپور کردار ضرور انجام دینا چاہیے اور اس محاذ پر اسے کسی طرح کی مداہنت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔''①

⑥ کیمون:

فرانس ہی کا یہ دوسرا مستشرق اپنی کتاب ''بیولوجیکل اسلام'' میں یوں رقمطراز ہے کہ:

''دین محمد ﷺ ایک ایسا جزام ہے **(نعوذ بالله من ذالك)** جو بڑی شدت کے ساتھ عالمِ انسانیت میں اپنی جڑیں جما کر جسدِ انسانیت کے جملہ اعضاء کو ایک ایک کر کے تباہ و برباد کرتا جا رہا ہے۔ اسلام ایک خوفناک مرض اور پورے کے پورے جسد انسانیت کے لیے ایک طرح کا فالج ہے۔ یہ ایک ایسی دیوانگی ہے جو انسان کو گوشہ نشین بنا کر اسے کاہلی، غفلت اور سستی کا عادی بنا دیتی ہے۔ اولاً تو یہ دیوانگی مسلمان کا پیچھا چھوڑتی ہی نہیں اور اگر چھوڑتی ہے تو اسے غفلت و کاہلی سے بیدار کرنے کے لیے نہیں بلکہ یہ اسے اس لیے بیدار کرتی ہے کہ تا کہ وہ بے گناہ انسانوں کا خون بہائے، شراب نوشی کرے اور ہر طرح کے فتنہ و فساد کو برپا کرنے کے لیے مصروف تگ و تاز رہے۔ محمد ﷺ کی قبر **(نعوذ بالله من ذالك)** ایک ایسا پاور سٹیشن ہے کہ جہاں سے مسلمانوں کے قلوب و اذہان میں جنون و دیوانگی کی لہریں پیدا کی جاتی ہیں۔ اس قبر کو دیکھ کر مسلمانوں کو مرگی اور عقلی مدہوشی اور حواس باختگی کے ایسے دورے پڑنے لگتے ہیں کہ جو ختم ہونے کا نام تک نہیں لیتے۔ جب مسلمان اس کی زیارت کر کے واپس لوٹتے ہیں تو ان کی اصل طبیعتیں بالکل مسخ ہو چکی ہوتی ہیں۔ اور وہ صحیح معنوں میں ایسے درندے بن چکے ہوتے ہیں کہ جنہیں خنزیر، شراب اور موسیقی سے نفرت و عداوت کے ماسوا کسی دوسری چیز کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ پس اسلام سارے کا سارا سنگدلی اور لذت کشی میں ڈوب جانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

یہ دیوانہ مستشرق اپنے اس بیان کو جاری رکھتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ:

''میرا پختہ اعتقاد ہے کہ کم از کم مسلمانوں کی کل آبادی کے ایک بٹا پانچ حصہ کو تو بالکل

① الاستعمار الفرنسي في افريقيا السوداء ص: ٢

تباہ و برباد کر دینا چاہیے۔ ایسا کرنا یورپ کے مادی و معنوی وجود کو برقرار رکھنے کے لیے انتہائی طور پر واجب ہے اور پھر بقیہ چار بٹا پانچ مسلم آبادی کو محنت و مزدوری اور انتہائی مشقت طلب کاموں میں جبراً وقہراً لگا دیا جانا چاہیے۔ ہم یورپ والوں کے لیے واجب ہے کہ ہم کعبہ کو گرا دیں اور محمد ﷺ کی قبر کو پھاڑ کر اس کے اندر سے ان کی نعش اور ان کی ہڈیاں (**نعوذ باللہ من ذالک**) نکال کر لوفر کے عجائب خانے کی زینت بنا دیں۔"①

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب برطانوی افواج نے سوڈان پر دوبارہ اپنا قبضہ جمایا تو برطانوی کمانڈر نے اسی دیوانے مستشرق ہی کی وصیت پر عمل کرنے کی صدق دلانہ کوشش کی تھی کیونکہ جوں ہی اس کا سوڈان پر قبضہ ہوا تو سب سے پہلے مہدی سوڈانی علیہ الرحمۃ والغفر ان کی قبر پر پہنچا۔ یہ اس مرد مومن مہدی سوڈانی کی قبر تھی جس نے نہتے سوڈانیوں کی قیادت کرتے ہوئے سوڈان کو برطانوی پنجہ استبداد سے نجات دلائی تھی اور انجام کار اس مردِ مسلمان کے ہاتھ سے برطانوی کمانڈر گارڈن مقابلہ کرتے ہوئے اپنے کیفر کردار کو پہنچا تھا۔ بہر حال اس بد بخت برطانوی کمانڈر نے مہدی سوڈانی کی قبر پھاڑ کر اس کے اندر سے ان کی نعش مبارک کو نکالا۔ پھر ان کا سر کاٹا، پھر اس بدکردار زانی انگریز کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ اسے بطور راکھ دان (ASH TRAY) استعمال کیا کرے۔②

⑦ کارڈینال بور:

جس دن ۱۹۶۷ء میں القدس پر دوبارہ یہودی قبضہ ہوا، عین اسی دن برلین کارڈینال بور نے انگریزی کیتھولک پرچے تابلت کو ایک بیان دیا۔ یہ بیان دینے سے قبل وہ ایک یہودی معبد میں عیسائیوں اور یہودیوں کی مشترکہ مذہبی تقریب میں شرکت کر چکا تھا۔ یہ مشترکہ تقریب مسیحی تاریخ میں وہ پہلی مشترکہ نماز تھی کہ جس میں یہودیوں اور عیسائیوں نے پہلی دفعہ

① الاتجاهات الوطنية ج: ۱، ص: ۳۲۱ تاريخ الامام جلد: ۲، ص: ٤٠٩ الفكر الاسلامى الحديث وصلته بالاستعمار ص: ۲۵۱ القومية والغزو الفكرى ص: ۱۹۲

② القومية والغزو الفكرى ص: ۲۲۲

مل کر شرکت کی تھی۔ اس بیان میں اس کارڈینال بورنے جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ ہے:

''عیسائیوں کے لیے واجب ہے کہ وہ یہود کے ساتھ ہر حوالے سے تعاون کریں تاکہ اس طرح ارضِ مقدس کو مکمل طور پر اور ہمیشہ کے لیے آزاد کرایا جاسکے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام کا بھی خاتمہ کیا جاسکے۔''①

⑧ بادشاہ لوییس:

فرانس کا یہ نواں بادشاہ لوییس جو کہ دار ابن لقمان منصورہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار رہ چکا تھا۔ جب وہ آزاد ہو کر واپس فرانس پہنچا تو اس نے اپنے اربابِ حل وعقد سے مل کر اسلام کو ختم اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ایک مشترکہ حکمتِ عملی پر مبنی لائحہ عمل تیار کروایا۔ اس پالیسی ساز لائحہ عمل کا مسودہ آج تک فرانس میں پیرس کے دار الوثائق القومیۃ میں محفوظ چلا آرہا ہے۔ اس بیان میں سب سے پہلے اس امر کو بطور ایک اصول کے بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو جنگوں کے ذریعے شکست دے کر مفتوح و مغلوب بنانا تقریباً ناممکن ہے اس لیے ان پر فتح اور غلبہ حاصل کرنے کے لیے یہ لائحہ عمل اور پالیسیاں اختیار کی جانی چاہئیں۔

① مسلمان قائدین کے مابین اختلاف وتفرقہ پیدا کرنا اور جب ایک دفعہ اس طرح اختلاف وتفرقہ پیدا ہو جائے تو اسے مزید وسیع اور گہرا کرنا اور پھر مسلمانوں کو کمزور تر کرنے کے لیے ان کے ان باہمی اختلافات اور تنازعات سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا۔

② عالمِ عرب اور دوسرے مسلمان ممالک کے اندر نیک اور صالح قیادت یا نیک اور صالح حکمرانوں کے قیام کو ہر ممکن طریقہ سے ناممکن العمل بنانے کے لیے ہر حیلے یا حربے کو بروئے کار لانا۔

③ مسلمان ممالک میں قائم شدہ حکومتی نظاموں کو رشوت، تخریب کاری اور عورتوں کے ذریعے خراب اور تباہ و برباد کرتے چلے جانا تاکہ اس طرح ان کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے انجام کار انہیں زمین بوس کیا جاسکے۔

④ مسلمان ممالک کے اندر ایسی افواج کو معدوم و ناپید کرنے کے لیے ہر طرح کے حیلوں

---

① نشرة التعايش المشبوة ص: ٤

اور تدبیروں کو بروئے کار لانا جو کہ ملک کو ملت کے حوالے سے امانت، صداقت اور اخلاص و وفا سے مالا مال ہوں اور جو اسلامی اصولوں کی سر بلندی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے اور اس طرح شہید ہو جانے کو اپنے لیے سعادت دارین خیال کرتی ہوں جو جہاد فی سبیل اللہ کو اسلامی فریضہ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہادت کے حصول کو مومن سپاہی کا سب سے بڑا نصب العین مانتی ہوں۔

۵ عرب ممالک میں اختلاف وتفرقہ پیدا کرنے پر سب سے زیادہ توجہ مبذول کرنا اور جب ایک دفعہ یہ اختلاف وتفرقہ پیدا ہو جائے تو اسے گہرا کرتے چلے جانا اور کسی وقت اور کسی قیمت پر عربوں کے اندر وحدت واتحاد پیدا نہ ہونے دینا۔

۶ عرب ممالک کے قرب وجوار میں ایک ایسی یورپی یا یورپ کی حلیف ووفادار ریاست قائم کرنا جو کہ جنوب میں غزہ کی پٹی تک اور شمال میں انطاکیہ تک پھیلی ہوئی ہو۔ پھر اس ریاست کو اتنا مضبوط ومستحکم کرنا کہ یہ اپنے مشرق ومغرب کی جانب پھیلنے اور وسعت پذیر ہونے کے اپنے اندر زیادہ سے زیادہ امکانات رکھتی ہو۔[1]

---

(1) آخر ساعة شمارہ ۲۱۰۶، ۵/ مارچ ۱۹۷۵ء

اسلام کو تباہ و برباد کرنے کے یورپی منصوبے

صلیبی جنگیں یورپ والوں نے دو سو سال تک جاری رکھیں ۔انہوں نے ان صلیبی جنگوں میں ہر طرح کی منصوبہ بندی کر کے اور جان و مال کی قربانیاں دے کر اسلام کو تباہ و برباد اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا چاہا مگر انہیں سوائے ناکامی و نامرادی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ان مسلسل و پیہم ناکامیوں اور نامرادیوں کے بعد ان کے اربابِ فکر و دانش و رجالِ حکومت و سیاست سر جوڑ کر بیٹھے تاکہ وہ جنگوں کے علاوہ دوسرے ذرائع اور وسائل اختیار کر کے اسلام کو تباہ و برباد اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے اپنے نصب العین کو حاصل کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں۔اس مسلسل غور و خوض اور مسائل و وسائل پر طولانی بحث اور عمیق مباحثے کے بعد وہ جنگی حکمتِ عملی کے ماسوا جس حکمت عملی پر متفق ہوئے اور جس طریقے وہ گذشتہ دو صدیوں سے مسلسل و پیہم ثابت قدمی و مستقل مزاجی کے ساتھ عمل پیرا ہیں۔ یہاں پر اس حکمتِ عملی کے بنیادی نکات کو درج کر دینا ہم مسلمانوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔بشرطیکہ ہمارے اندر سے ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت کا چراغ بالکل ہی گل نہ ہو۔

اسلامی حکومت کا خاتمہ

سب سے پہلی چیز عالمِ اسلامی کے اندر سے اسلامی حکومت کا خاتمہ کرنا تھا۔اور اس مقصد کے لیے دولتِ عثمانیہ کو جو کہ اسلامی خلافت کی مظہر اور نمائندہ خیال کی جاتی تھی اس کا خاتمہ لازمی تھا۔باوجودیکہ عثمانی خلافت اسلامی نصب العین سے کئی ایک حوالوں سے منحرف ہو چکی تھی۔اس کی رگ رگ میں ضعف واضمحلال رچ بس چکا تھا لیکن اس کے باوجود پورے کا پورا یورپ اس کے بارے میں حسد وکینہ اور بغض وعداوت کے جذبات سے بھرا ہوا تھا کیونکہ یہ کمزور سی خلافت بھی اسلامی امت کے اتحاد اور وحدت کی علامت تھی اور آج کی برائے نام خلافت اپنے اندر کل کلاں حقیقی و طاقت ور خلافت کا روپ دھار لینے کے بے پناہ امکانات رکھتی تھی۔اس لیے اس برائے نام خلافت کا کمزور سا وجود بھی یورپ کے لیے کسی قیمت پر بھی قابل قبول نہ تھا۔اسے وہ اپنے لیے ایک بہت بڑا خطرہ اور چیلنج خیال کرتا تھا۔آخر کار جب یہ خلافت جنگ عظیم اول میں جرمنوں کی حلیف ہونے کی وجہ سے شکست کھا گئی تو اس طرح گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے اس کو گرانے اور ختم کرنے کے لیے یورپی حکومتیں جو دن رات جدوجہد کر رہی تھیں اب اس معاندانہ جدوجہد کے نتیجہ خیز ہونے کا انہیں سنہری موقعہ حاصل ہو گیا اور اس طرح انہوں نے اسلامی اتحاد ووحدت کی اس علامت کو اپنی جانب سے ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کی اپنی دیرینہ آرزو کو پورا کر لیا۔اس شکست کے نتیجہ میں جب برطانوی، یونانی، اطالوی اور فرانسیسی افواج دولتِ عثمانیہ کی سرزمین میں داخل ہو گئیں تو انہوں نے دارالخلافت استنبول پر اپنا قبضہ جما لیا۔پھر لوزان کانفرنس منعقد ہوئی اس میں ترکی کی سرزمین سے حلیف فوجوں کا انخلاء کے لیے صلح کی شرائط پر اتفاق ہوا اور فریقین نے دستخط کر دیے۔ آپ اب ذرا یہ دیکھیں کہ حلیفوں نے ترکوں پر کن شرائط کی قبولیت کے ساتھ اپنا معاہدۂ صلح جبراً وقہراً مسلط کیا۔

① ترکوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی موجودہ خلافت کو ختم کر دیں اور موجودہ خلیفہ کو ملک بدری پر مجبور کر دیں اور خلیفہ کی تمام منقولہ وغیر منقولہ غرضیکہ ہر طرح کی جائیدادِ بحق سرکار ضبط کر لیں۔

② ہر اس جدو جہد یا تحریک کو بزورِ شمشیر ترک کر دیں جو کہ ترکیہ میں موجودہ خلافت کو برقرار رکھنے کے لیے برپا ہو یا آئندہ ترکیہ کے اندر نظامِ خلافت قائم کرنے کے لیے برپا کی جائے۔

③ ترکیہ پر واجب ہے کہ وہ اسلام سے اپنے ہر طرح کے تعلقات کا خاتمہ کر دے۔ عربی زبان اور عربی اسلام کو اپنے ہاں سے دیس نکالا دے دے۔

④ احکامِ اسلامیہ کی اساس پر تیار شدہ دستور کو منسوخ کر دے اور اس کی جگہ پر ایسا دستور اپنے ہاں رائج و نافذ کرے جو مغربی دستوروں کے نمونے اور طرز پر غیر شرعی انداز پر اور غیر شرعی مصادر سے اخذ کیا گیا ہو۔[1]

ان سب شرائط کو کمال اتاترک نے نہ صرف قبول کیا بلکہ اس نے یورپی طاقتوں کو اس امر کا بھی پوری طرح اطمینان دلایا کہ وہ پورے اخلاص اور پوری قوت و طاقت کے ساتھ ان شرائط کو اپنے ہاں نافذ کرے گا۔ جب حلیفوں کو کمال اتاترک کے اخلاصِ نیت کا پوری طرح یقین ہو گیا تو اس کے بعد انہوں نے اپنی افواج کو استنبول سے باہر نکال کر ترکیہ کو بظاہر آزاد کر دیا۔

جب حلیف افواج نے استنبول کا محاصرہ ختم کر کے سرزمینِ ترکیہ کو آزاد کر دیا تو اس پر برطانوی دارالعوام میں زبردست بحث مباحثہ ہوا اور حکومت پر حزبِ اختلاف ہی نہیں حزبِ اقتدار کے ارکان کی جانب سے بھی زبردست تنقید کی اور ترکیہ کو آزاد کر دینے کی پالیسی پر ارکانِ اختلاف و اقتدار ہر دو نے زبردست ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس وقت برطانیہ میں وزارتِ خارجہ کا قلمدان لارڈ کرزن کے پاس تھا۔ اس نے پارلیمنٹ کے سامنے جب ترکیہ اور برطانیہ کے باہمی تعلقات پر پالیسی بیان پڑھنا چاہا تو زبردست شور وغل پیدا ہو گیا۔ ارکانِ

---

[1] الارض والشعب جلد: ١، ص: ٤٦

پارلیمنٹ کا کہنا تھا کہ ترکیہ کو خودمختاری دینے کی پالیسی کو ہم کسی قیمت پر پسندیدہ قرار نہیں دے سکتے کیونکہ ترکیہ کی خودمختاری میں ہم یورپ والوں کے لیے ایک زبردست خطرہ پوشیدہ ہے۔ ترکیہ کسی وقت بھی اردگرد کی مسلمان حکومتوں اور عوام کو اکٹھا کر کے ہم یورپ والوں کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ پس اس طرح یورپ پر ترکیہ کی جانب سے حملہ آور ہونے کا خطرہ کبھی معدوم نہیں ہوسکتا۔ اس غم وغصہ اور تنقید وملامت کو سن کر لارڈ کرزن نے جو آخری جواب دیا اس کا خلاصہ اس طرح تھا کہ:

''ہم نے مسلم ترکیہ کو اب ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔ آج کے بعد ہم نے مسلم ترکیہ کی کوئی ایک ٹانگ بھی صحیح وسالم نہیں رہنے دی کہ جس کی قوت وطاقت کی اساس پر وہ اپنا اسلامی تشخص قائم رکھ سکتی ہو۔ مسلم ترکیہ کی قوت وطاقت اور شان وشوکت کا راز دو چیزوں میں پوشیدہ تھا، ہم نے ان دونوں چیزوں ہی کو ختم کر دیا ہے۔ یہ چیزیں تھیں'' اسلام اور خلافت۔''

اس بیان کو سُن کر ارکانِ پارلیمنٹ نے زبردست طریقے سے تالیاں بجائیں اور اس سے قبل جتنی بھی مخالفت ہو رہی تھی اس کا شوروغل ختم ہوگیا اور مخالفت کی جگہ ہر طرف موافقت اور منظور کی صدائیں سُنائی دینے لگیں۔ (۱)

---

(۱) كيف هُدِّمِ العلافة ص: ۱۹۰

قرآن پاک کو ختم کرنے کا منصوبہ

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ یورپی اربابِ فکر و دانش اور رجالِ سیاست و حکومت کے نزدیک مسلمانوں کی قوت و طاقت کا اصل مصدر اور منبع یا بالفاظ دیگر مرکزی اور بنیادی ذریعہ قرآن پاک ہے۔ لہٰذا وہ اس امر پر ایمان کی حد تک یقین رکھتے ہیں کہ جب تک قرآن پاک مسلمانوں کے پاس یا ان کے قلوب و اذہان میں حکمران رہے گا اس وقت تک اور اس صورت میں مسلمان یورپ کے محکوم نہیں ہو سکتے اور اگر محکوم ہو بھی جائیں تو وہ اس محکومی و غلامی میں زیادہ دیر تک مبتلا نہیں رہ سکتے۔ اس لئے ان کا دوبارہ اُبھرنا اور ان کی تہذیب و ثقافت کا اپنی قوت و طاقت کو دوبارہ اپنے اندر بحال کر لینا کسی وقت بھی ممکن ہے۔ اس لیے ان کا پختہ اعتقاد ہے کہ مسلمانوں کے قلوب و اذہان سے قرآنی علوم و افکار کو نکال دینا یورپ کی بالادستی کے لیے ایک ناگزیر امر ہے۔ اس نقطۂ نظر سے ہم آپ کے سامنے یورپی مفکرین اور اربابِ سیاست کے چند ایک اقوال پیش کرتے ہیں تاکہ آپ ان کی روشنی میں ہمارے موقف کا جائزہ لے سکیں۔

١ گلیڈسٹون:

اس کا کہنا ہے کہ جب تک یہ قرآن مسلمانوں کے پاس رہے گا اس وقت تک یورپ کے لیے مشرق اور بالخصوص اسلامی مشرق پر اپنا قبضہ و تسلّط برقرار رکھنا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے حتیٰ کہ جب تک یہ قرآن مسلمانوں کے قلوب و اذہان پر حکمران رہے گا اس وقت تک یورپ مسلمانوں کی جانب سے خود اپنے وجود اور اپنے امن اور سلامتی کے حوالے سے بھی اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھ سکتا۔ ①

٢ مبشر ولیم جیمفورڈ بالکراف:

اس موضوع پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے یہ یورپی مسیحی مبشریوں رقم طراز ہے:

① الاسلام علی مفترق الطرق ص: ۳۹

''اگر قرآن پاک صفحۂ ہستی سے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ عالمِ عرب سے ناپید کر دیئے جائیں تو تبھی یہ دعویٰ کرسکنا ممکن ہو سکے گا کہ عرب آہستہ آہستہ مغربی تہذیب و ثقافت کو قبول کرلیں گے۔ اور اسی صورت میں ہی تمام عرب اور دوسرے مسلمان بھی آہستہ آہستہ محمدﷺ کی ذات اور ان کی نبوت و رسالت اور ان کی کتاب (قرآن پاک) سے دور ہٹ سکیں گے۔''(۱)

۳ مبشر تکلی:

یہ یورپی مبشر اس موضوع کے حوالے سے یوں رقم طراز ہے:

''ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم قرآن پاک کو جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے ہاں سب سے زیادہ کامیاب اور کارگر حربہ ہے، اسے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کی ہر ممکن تدبیر بروئے کار لائیں اور اس طرح اسلام کو انجام کار صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم مسلمانوں کو یہ امر باور کرانے کی بھرپور کوشش کریں کہ جو کچھ قرآن پاک میں صحیح ہے وہ کوئی نیا نہیں ہے اور جو کچھ قرآن پاک میں نیا ہے وہ صحت و صداقت سے بالکلیہ عاری ہے۔''(۲)

۴ ایک فرانسیسی گورنر:

فرانس جب الجزائر پر قابض ہوگیا اور اس طرح جب اس کے غلبہ و استعمار پر سو سال کا عرصہ گزر گیا تو انہوں نے اس سلسلہ میں ایک جشن منایا۔ جشن کی ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ایک فرانسیسی گورنر نے اپنے احساسات و تجربات کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

''اگر ہم یورپ والے اسلامی ممالک پر قابض ہو کر اپنے اس غلبہ و تسلّط کو دوام دینا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں سے قرآن پاک کو نکال باہر کریں اور عربوں کے حوالے سے ہمارے لیے واجب ہے کہ ان سے عربی زبان چھین لیں۔ بلکہ اگر ممکن ہو تو ان کی زبانیں ہی کاٹ دیں جو کہ

(۱) جذور البلاء ص: ۲۰۲ (۲) التبشیر والاستعمار ص: ۴۰

عربی زبان کے الفاظ واسالیب کو دہراتی رہتی ہیں۔"[1]

ایک تاریخی واقعہ:

اس جگہ شاید ایک تاریخی واقعہ کو بیان کر دینا بھی خالی از فائدہ نہیں رہے گا۔ ہوا یوں کہ جب فرانسیسیوں نے الجزائری نوجوانوں اور عامۃ المسلمین کے قلوب واذہان سے قرآن پاک کو نکال لینے کے لیے عملی سکیم بنالی تو انہوں نے اس پر عمل درآمد کے لیے الجزائر کی دس ذہین وفطین بچیوں کا انتخاب کیا اور انہیں اسلامی تہذیب وثقافت سے نکال کر فرانسیسی تہذیب و ثقافت سے آراستہ کرنے کا عملی منصوبہ بنایا۔ لہٰذا وہ انہیں پیرس لے گئے وہاں انہیں فرانسیسی تہذیب وثقافت کی تعلیم دینے کے لیے مختلف تعلیمی وتربیتی تعلیم گاہوں اور اداروں میں داخل کرا دیا گیا۔ اس طرح دس سال تک انہیں اسی ماحول میں رکھا گیا۔ دن رات ان پر محنت کی گئی۔ جب فرانسیسیوں کو ان بچیوں کے بارے میں اس امر کا یقین ہو گیا کہ وہ واقعی اسلامی تہذیب وثقافت کو چھوڑ کر فرانسیسی تہذیب وثقافت میں کلی طور پر جذب ہو گئی ہیں تو اس خوشی میں انہوں نے ایک زبردست تقریب کا اہتمام کیا۔ اس تقریب میں تعلیم وتربیت اور صحافت و سیاست کے کئی ایک نمائندہ افراد کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ اس تقریب میں شرکت کے لیے وزراء اور حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف میں سے اثر ونفوذ کے مالک اصحاب کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ جب تقریب کا آغاز ہوا اور فرانسیسی تعلیم وتربیت اور تہذیب وثقافت سے متعلق افراد اپنے کمالات بیان کر رہے تھے کہ انہوں نے بچیوں کو اس حد تک اسلامی تہذیب وثقافت سے برگشتہ اور فرانسیسی ادب وثقافت اور طرز بود وباش کا گرویدہ اور دلدادہ بنا دیا ہے۔ کہ ان بچیوں کو اپنے قومی لباس پہنتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے اور فرانسیسی لباس پہننا ان کے نزدیک شرف واعزاز کی علامت بن چکا ہے۔ عین اسی دوران ان بچیوں کو جب ان کی رہائش گاہوں سے نکل کر تقریب کے شرکاء کے سامنے پیش ہونے کو کہا گیا تو یہ دیکھ کر وہ

---

[1] مجلة المنار شمارہ مورخہ: ٦٢-١١-٩

بچیاں اپنے عربی والجزائری لباس میں ملبوس ہو کر شرکاء کے سامنے آ رہی ہیں، سب کے سب حیرت زدہ رہ گئے اور جوار بابِ بست وکشاد داد لینے کے منتظر تھے ان کی گردنیں شرم وندامت سے ایسے زمین پر گڑ گئیں کہ وہ اوپر اُٹھنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ اس وقعہ کے بعد فرانسیسی صحافت میں ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ یوں لگتا تھا جیسا کہ کوئی بڑا بھونچال آ گیا ہے۔ صحافت اور ثقافت سے متعلق اصحاب ہر طرف فرانسیسی حکمرانوں سے پوچھ رہے تھے کہ انہوں نے گذشتہ ایک صدی سے اپنے زیرِ تسلط مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کو ان سے چھڑانے اور انہیں فرانسیسی فکر وفلسفہ سے آراستہ ووابستہ کرنے کے لیے اب تک کون سی اور کیا کیا خدمات انجام دی ہیں؟......

فرانسیسی وزیر نوآبادیات لاکوسٹ کی رائے:

ان چہ میگوئیوں اور نکتہ چینیوں کا جواب دیتے ہوئے اس وقت کے فرانسیسی نوآبادیات کے وزیر نے جو جواب دیا اس میں اسلام اور یورپ کی کشمکش پر غور وخوض کرنے والے اربابِ فکر ودانش کے لیے عبرت وبصیرت کے حوالے سے وافر سامان موجود ہے۔ اس فرانسیسی وزیر نے انتہائی اختصار لیکن زبردست بلاغت کے ساتھ اس طعن وتشنیع کا بس اتنا جواب دیا کہ:

> ''اے میرے ہم وطنو!...... اگر قرآن ہم سے ہزار گنا زیادہ طاقتور اور جاندار ہو تو بھلا ہم فرانسیسی اس کا کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں اور کس طرح اسے مسلمانوں کے قلوب و اذہان سے نکال سکتے ہیں۔''[1]

مسلمانوں کے اخلاق اور ان کی عقلیات ونفسیات میں بگاڑ پیدا کرنا، ان کے اندر مال و دولت کی ہوس پیدا کر کے انہیں دین کی محبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور تعلق باللہ کی نعمت سے محروم کرنے کے لیے منصوبہ بندی کے ساتھ منظم علمی وعملی جدوجہد کرنا۔

اس سکیم پر عمل کرنے کے لیے جس طرح علمی وعملی منصوبہ بندی کی گئی اس کے حوالے سے بعض یورپی مبشرین اور چند ایک یورپی اربابِ فکر ودانش کے اقوال وآراء پیش خدمت ہیں۔

---

(1) جريدة الاہام شمارہ نمبر: ۷۷۸۰ مورخہ: ۶/۱۲/۱۹۶۲

اس ضمن میں ہم اقتباسات کا آغاز ایک نومسلم انگریز سے کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

۱ مارڈیوک پکھتال:

یہ نومسلم یوں رقم طراز ہے کہ:

''مسلمانوں کے لیے اپنی اسلامی تہذیب وثقافت کو پوری دنیا میں اسی سرعتِ رفتار کے ساتھ کہ جس سے وہ اسے آج سے بہت پہلے فروغ دے چکے ہیں اسی وقت اور اسی صورت میں ممکن ہوگا جب وہ اپنے اندر وہی اخلاق پیدا کرلیں گے جو کہ دورِ اوّل میں ان کے آباء واجداد کے اندر پائے جاتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ اخلاق سے عاری وتہی دامن دنیا ان کی تہذیب وثقافت اور اس کی روحانی داخلاتی قوت وطاقت کا کسی قیمت پر بھی مقابلہ نہیں کرسکتی۔''①

۲ ا. سموئیل زویمر:

۱۹۳۵ء میں بیت المقدس میں مسیحی مبشرین کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔اس کانفرنس میں تبشیری انجمنوں اور جماعتوں کے عالمی صدر سموئیل زویمر نے بھی خطاب کیا تھا اس کے اس خطاب کے چند ایک نمایاں پہلوؤں کی چند جھلکیوں کا اس اقتباس سے بہت اچھی طرح مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔اس نے اس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

''ہماری ان تبشیری کارروائیوں کا مقصد یا نصب العین کہ جنہیں ہم مسیحی ریاستوں یا حکومتوں کے نائب یا نمائندے کے طور پر پوری دنیا اور بالخصوص اسلامی ممالک میں انجام دے رہے ہیں، یہ نہیں ہے کہ ہم مسلمانوں کو حلقۂ بگوش مسیحیت کرکے ان کی ہدایت یا ان کے لیے عزت وشرف کا کوئی بندوبست کرنا چاہتے ہیں؟......نہیں یہ ہمارا مقصد یا نصب العین ہرگز نہیں ہے۔اس کے برعکس ہماری اس تمام تگ ودو یا جدوجہد کا اولین مقصد یہ ہے کہ ہم ہر ممکن طریقہ سے کام لیں تاکہ ہم مسلمانوں کو حلقۂ اسلام کے اندر نہ رہنے دیں تاکہ اس طرح ان کا اللہ تعالیٰ پر اعتماد ویقین یا تو بالکلیہ طور پر ختم

---

① جند الله ص: ٢٢

یا کم از کم مشکوک ہو جائے اور اس طرح ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے ہر طرح کا ربط و تعلق منقطع ہو جائے۔ پھر اس کے نتیجہ میں ان کے اندر سے ان اخلاق عالیہ کی بھی جڑ کٹ جائے گی جو قوموں کے لیے ان کی اجتماعی حیات کا سب سے بڑا سبب ہوا کرتے ہیں۔ اس طرح ہم اسلامی ممالک کے اندر یورپی استعمار کی فتح و کامرانی کے لیے ہراول دستے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ بے شک یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ ہم نے مسلمان ممالک کے اندر ان کے لیے جو راہِ عمل تجویز کی تھی اس مسلمانوں کی ایک بڑی با اثر تعداد کے قلوب واذہان نے قبول کر لیا ہے اور وہ اس پر عمل پیرا بھی ہو چکی ہے۔

دوستو!...... آپ مجھ سے بہتر طور پر جانتے ہیں کہ وہ راہِ عمل کیا ہے۔ وہ راہِ عمل ہے مسلمانوں کو مسلمان نہ رہنے دینا نہ کہ انہیں بگوش مسیحیت کرنا۔

اس نے اپنے خطاب کو جاری رکھتے ہوئے کہا:

''اے میرے رفیقو!...... بے شک تم نے مسلمان ممالک کے اندر ایک ایسی نوجوان نسل تیار کر دی ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے کوئی تعلق نہیں ہے حتیٰ کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی معرفت سے بھی کوئی سروکار نہیں ہے۔ تم نے مسلمانوں کی اس نوجوان نسل کو اسلام سے نکال کر اور اسے حلقۂ بگوش مسیحیت نہ کر کے استعماری مقاصد کی شاندار خدمت انجام دی ہے جس کی جس قدر بھی تعریف و توصیف کی جائے وہ کم ہے۔ یہ نوجوان نسل اسلام کے اعلیٰ اخلاقی مقاصد سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔ یہ نوجوان نسل عیش و آرام کی دلدادہ ہے، کام چور اور کسلمند ہے۔ ہر جائز و ناجائز ذریعے سے اپنی خواہشات نفس کو پورا کرنا اور اس کے لیے ہر حیلہ یا حربہ بروئے کار لانا ان کی زندگیوں کا مقصود بن چکا ہے۔ ان کی زندگی کا نصب العین حیوانی خواہشات کی تسکین اور اس کے حصول کے ماسوا کچھ نہیں ہے وہ جب تعلیم حاصل کرتی ہے تو اس کا نصب العین صرف اپنی خواہشات کی تسکین کرنا ہوتا ہے جب وہ مال و جائیداد کی مالک بنتی ہے تو بھی اس کا مقصد اپنی حیوانی خواہشات کی تشفی

کرنا ہوتا ہے جب یہ کسی اعلیٰ سے اعلیٰ منصب یا عہدے پر فائز ہوتی ہے تو بھی اس کا نصب العین انہی خواہشات نفس کی تسکین اور ان ہی خواہشات کو بہتر سے بہتر طریقے سے انجام دینے کے ذرائع و وسائل کا حصول ہوتا ہے اور بس...... یہ نوجوان نسل اپنی حیوانی خواہشات کی تسکین اور ان کے حصول کے لیے ہر اعلیٰ سے اعلیٰ اصول، اخلاق یا قدر کو قربان کرنے یا اسے پامال کرنے پر ہمیشہ آمادۂ عمل رہتی ہے۔ اے گروہ مبشرین!...... بے شک عالمِ اسلامی سے متعلق تمہاری مہم بااحسن انداز پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔''①

ب. سموئیل زویمر:

وہ اپنی کتاب ''الغارة على العالم الاسلامی'' میں اس موضوع کے حوالے سے یوں رقمطراز ہے کہ:

''مغربی تہذیب وثقافت کے حوالے سے اس تبشیری مہم کی دو خصوصیات ہیں۔ ایک خصوصیت ہے تباہ و برباد کرنے کی اور دوسری خصوصیت ہے۔ تعمیر و آباد کرنے کی تباہ کاری کی خصوصیت سے میری مُراد یہ ہے کہ مسلمانوں اور بالخصوص ان کی نوجوان نسل کو تعلیم جدید کے نام پر اسلام کی گرفت یا چنگل سے اسے آزاد کرایا جائے۔ اگرچہ وہ اسے ملحد بنانے کی صورت ہی میں کیوں نہ ہو۔ اور تعمیر کی خصوصیت سے میری مراد ہے کہ اگر ممکن اور مفید نظر آئے تو پھر ان نوتعلیم یافتہ سابق مسلمانوں کو حلقۂ بگوشِ مسیحیت ہونے کا شرف واعزاز بخشا جائے تاکہ اس طرح وہ اپنی قوم کے خلاف مغربی تہذیب وثقافت کے نمائندے کے طور پر کھڑے ہوسکیں۔''②

◇ مسلمانوں کی اسلامی شخصیت کو تباہ و تاراج کرنے، ان میں موجود اسلامی اخلاق و اوصاف کو ناپید کرنے یا ان میں ہمہ گیر اختلال و فساد پیدا کرنے کے لیے ان مسیحی مبشرین اور یورپی مفکرین کے نزدیک جو بہترین اور کارگرو کامیاب وسیلہ یا ذریعہ ہے

---

① حذور البلاء ص: ۲۷۵
② الغارة على العالم الاسلامی ص: ۱۱

وہ ہے مسلمان ممالک کے اندر لادینی نظام تعلیم کو تعلیم جدید کے نام پر رواج دینا اور پھر اسے دن رات مضبوط و مستحکم کرتے چلے جانا۔ اب اس حوالے سے چند ایک اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

۱ مبشر تکلی:

مشہور زمانہ مبشر تکلی اس حوالے سے یوں رقم طراز ہے:

''ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم بلادِ اسلامیہ کے اندر ایسے یورپین طرز اور نمونے کے تعلیمی اداروں کا جال بچھا دیں جو کہ لادینی نظامِ تعلیم کے اصول پر قائم ہوں۔ ان مدارس کی تعلیمی منصوبہ بندی کا جلد ہی یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ ہمارے ان اداروں سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے والی نوجوان مسلمان نسل کی کم از کم نوے (۹۰) فی صد تعداد اسلام اور قرآن کے بارے میں اپنے یقین اور اعتماد سے بالکل تہی دامن ہو جائے گی۔ خاص طور پر جب یہ نسل ہمارے ان مدارس میں یورپی طرز اور نمونے کے مطابق تیار کردہ نصاب ہائے تعلیم کا مطالعہ کرے گی۔ جب یہ ہماری زبانیں اور ہمارے فلسفے اور دوسرے افکار و تصورات کو ہمارے ہی اساتذہ سے پڑھے گی تو پھر یہ نوجوان نسل نہ صرف اپنے اسلامی فکر و فلسفہ سے برگشتہ ہو جائے گی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ ہمارے لادینی افکار و تصورات کی دل و جان سے گرویدہ بھی ہو جائے گی۔''①

۲ سموئیل زویمر:

اسی موضوع پر اس مستشرق مبشر کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے: وہ رقمطراز ہے کہ چونکہ مسلمانوں کو مسیحی مدارس اور اداروں سے نفرت ہے اس لیے ان ممالک کے اندر ایسے لادینی مدارس کا قیام ہمارے لیے واجب ہے کہ جہاں ہر مسلمان خوشی خوشی اپنے بچوں کو داخل کرا سکے۔ ہمیں اس حوالے سے ان لادینی مدارس کے قیام و اہتمام کے لیے ہر ممکن سہولت بہم

① التبشیر الاستعمار ص: ۸

پہنچانی چاہیے۔ یہ مدارس ہمارے لیے انتہائی مفید اور ہمارے مقاصد کے لیے بڑے مددگار ثابت ہوں گے۔ کیونکہ ان مدارس کے توسط سے ہم ان مسلمان طلباء کے اندر سے اسلامی تہذیب وثقافت کی روح کو بالکلیہ ختم کرنے میں بڑے موثر طریقے پر کامیاب ہوسکتے ہیں۔ (۱)

۳۔ آر ایچ گب:

آیئے اس ضمن میں اس مستشرق کی رائے بھی پڑھتے چلیں:

''مسلمانوں کی اجتماعی و معاشرتی زندگی میں اب اسلام اپنا اثر و رسوخ بالکلیہ کھو بیٹھا ہے اور دوسرے شعبوں سے بھی اس کا اثر ونفوذ روز بروز کم سے کم ہوتا جارہا ہے حتیٰ کہ اب اس کا اثر ونفوذ چند ایک مذہبی رسوم وتقریبات تک محدود ہوکر رہ گیا ہے اور یہ سب کچھ اس قدر ہوشیاری وحکمت عملی اور تدبیر سے تدریجی طور پر ہوا ہے کہ مسلمانوں کو اس کی کانوں کان خبر تک نہیں ہوئی اور اب معاملہ اس منزل یا مرحلے تک جا پہنچا ہے کہ جس سے واپسی ناممکن ہے۔ اگر اس سے واپسی کا کوئی بھی امکان ہوسکتا ہے تو اس کی بس ایک ہی ممکنہ صورت ہے اور وہ یہ کہ عالمِ اسلامی کے حکمران اور وہاں کے قائدین ومفکرین اور بالخصوص وہاں کے نوجوان ہماری اس تعلیمی پالیسی اور طرزِ عمل کو ناکام بنانے پر کمر ہمت باندھ لیں جس کا امکان فی الحال نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح نوٹ کرلینی چاہیے کہ ہمیں اس حوالے سے عالمِ اسلام کے اندر جو بھی کامیابی حاصل ہوئی ہے یہ سب کی سب نتیجہ ہے ہماری اس تعلیمی پالیسی یا جدو جہد کا جو ہم نے عالمِ اسلام کے اندر لادینی نظامِ تعلیم اور لادینی تہذیب و ثقافت کو رواج دینے کے لیے مسلسل وپیہم برپا کررکھی ہے۔'' (۲)

(۱) الغارة علی العالم الاسلامی ص: ۸۲

(۲) الاتجاهات الوطنية ج: ۲، ص: ۲۰٤

مسلمانوں کی وحدت اور ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا

① سیمون:

مسلمانوں کی وحدت کو پراگندہ کرنے اور اسے پراگندہ رکھنے کے موضوع پر یہ مسیحی مبشر یوں رقمطراز ہے کہ:

''اُمتِ اسلامیہ کی وحدت مسلمان اقوام کی امیدوں اور تمناؤں کو ایک مرکز پر مرتکز ہونے کا موقعہ فراہم کرتی ہے اور انہیں یورپی غلبہ و تسلّط سے اپنا دامن چھڑانے اور اس کی حاکمیت و بالادستی سے نجات پانے میں بے پناہ طور پر ممد و مددگار ثابت ہوتی ہے ۔لہٰذا ہر اُس تحریک جو کہ اُمت اسلامیہ کی وحدت اور اس کے اتحاد کے حوالے سے برپا کی جائے اس کے بارے میں فوراً باخبر ہو جانا اور اس کی قوت و طاقت اور شان و شوکت کو پارہ پارہ کر دینا تبشیر کا ایک اہم ترین فریضہ ہے ۔اس لیے یہ امر ہمارے لیے بے پناہ اہمیت کا حامل ہے کہ ہم مسلمانوں کی توجہات کو اسلامی وحدت سے دور ہٹائے رکھیں۔''①

② لارنس براؤن:

اسی موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے یہ یورپی دانشور اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت اس طرح کرتا ہے کہ:

''اگر مسلمان کسی ایک عرب مملکت کی صورت میں متحد ہو جائیں گے تو اس طرح پوری دنیا کے لیے لعنت یا خطرہ بن جانے کا امکان بہت زیادہ بڑھ جائے گا یا ہم اُن کے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ شاید وہ اس طرح پوری دنیا کے لیے ایک بہت بڑی رحمت یا نعمت ثابت ہوں گے لیکن اگر وہ منتشر اور پراگندہ ہو کر رہیں (جیسا کہ وہ

① كيف هُدِمَت الخلافة ص: ۱۹۰

اب ہیں) تو دُنیا میں نہ تو ان کا کوئی وزن ہوگا اور نہ ہی وہ کوئی اثر یا تاثیر ظاہر کر سکیں گے۔''

وہ اپنے بیان کو یوں ختم کرتا ہے:

''پس ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم عربوں اور مسلمانوں کو منتشر اور پراگندہ رکھنے کی کوششوں اور تدابیر کو جاری رکھیں تا کہ وہ اس طرح ہر طرح کی قوت وطاقت اور اثر و تاثیر کے بغیر ناکام ونامراد زندگی گزارنے میں مشغول رہیں۔''(۱)

۳ ٹائن بی:

یہ مشہور مؤرخ تاریخ اپنی کتاب'' الاسلام والغرب والمستقبل ''کے صفحہ۷۳ پر مسلمانوں کے متحد اور بیدار ہو جانے کے موضوع پر یوں اظہارِ خیال کرتا ہے:

''بیشک اسلامی اتحاد اور وحدت آج سوئی ہوئی ہے لیکن ہمیں اس امر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ سویا ہوا انسان بیدار بھی ہو جایا کرتا ہے۔''

۴ غابرائیل ہانوتو:

جب تیونس نے بلادِ اسلامیہ کے ساتھ اپنے تعلقات منقطع کر لیے تو اس وقت کے فرانسیسی وزیرِ خارجہ کو اس پر جو خوشی محسوس ہوئی اس کا اس نے یوں اظہار کیا:

''حقیقت یہ ہے کہ تیونس کے تعلقات اُمتِ اسلامیہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کے ساتھ حتیٰ کہ خود اس کے اپنے ماضی کے ساتھ اسی وقت ٹوٹ گئے تھے جب اس پر فرانس نے اپنا غلبہ وتسلط قائم کر کے وہاں دین اور سیاست کی ثنویت یا علیحدگی کے اصول کو نافذ کر دیا تھا۔''(۲)

۵ یورپی وزرائے خارجہ کی ایک اہم کانفرنس:

اُمتِ اسلامیہ کے اتحاد و وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور اسے پراگندہ رکھنے کے بارے

---

(۱) حذور البلاءِ ص: ۲۰۲ (۲) غابرائیل ھانو تو ص: ۲۱

میں آئندہ سطور میں آنے والے اقتباسات کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اس میں یورپی عظائم اور منصوبہ بندیوں کی بہترین نمائندگی ہوئی ہے۔

۱۹۰۷ء میں یورپی ممالک نے ایک بڑی اہم کانفرنس کی۔ اس کانفرنس کی صدارت برطانیہ کے وزیرِ خارجہ نے کی۔ اس میں یورپ کے چوٹی کے اربابِ فکر و دانش اور رجالِ صحافت و سیاست نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے برطانوی وزیرِ خارجہ نے جو کچھ کہا اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ:

''بے شک یورپی تہذیب و ثقافت اور فکر و فلسفہ کو زوال و فنا اور اختلال انگیزی کے عوامل و عناصر کا خطرہ درپیش ہے لہٰذا ہماری اہم ترین ڈیوٹی جس کی بہتر ادائیگی اور اس ادائیگی سے متعلق اسالیب و وسائل پر غور و خوض کرنے کے لیے ہم سب یہاں اکٹھے ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم اپنی اس تہذیب و ثقافت کو زوال و فنا کے درپیش خطرہ سے کس طرح بچا سکتے ہیں؟......''

اس کانفرنس نے مسلسل ایک ماہ تک اس موضوع پر اپنا بحث و مباحثہ اور غور و خوض جاری رکھا۔ اس کانفرنس کے شرکاء نے اس زوال آمادہ یورپی تہذیب و ثقافت کو جو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں اور لاحق ہیں اور جو انجام کار اس کی موت کا سبب بن سکتے ہیں ان پر بھی بحث جاری رکھی۔ اس طویل ترین کانفرنس نے آخر کار اپنی تمام طولانی بحثوں کو ایک نقطہ میں سمو دیا اور وہ یہ تھا کہ یورپی یا مغربی تہذیب و ثقافت کے لیے سب سے بڑا خطرہ صرف اور صرف مسلمان ہیں۔ لہٰذا اس خطرہ کا سدِّ باب کرنے کے لیے جو قرارداد پاس کی گئی وہ یہ تھی:

''ایک ایسا پروگرام یا منصوبہ وضع کیا جانا چاہیے اور اس میں ہم سب کی عملی و فکری کوششوں کو کھپا دیا جانا چاہیے۔ ہمیں مشرق وسطیٰ کی مسلمان ریاستوں یا علاقوں کو کبھی ایک مرکز پر متفق یا متحد نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ اس طرح کا متحدہ مشرق وسطیٰ یورپ کے لیے بمعہ اس کی تہذیب و ثقافت کے ایک مستقل خطرہ بنا رہے گا۔''

اس کانفرنس کے شرکاء نے اس ضمن میں جو آخری قرارداد پاس کی وہ اس طرح تھی کہ ایک ایسی ریاست جو کہ عرب اور مسلمانوں کی ہر حوالے سے ازلی و ابدی دشمن ہو اور جو مغرب

کی صحیح معنی میں وفادار اور پروردہ ہوا سے نہر سویز کے مشرق میں قائم کیا جانا چاہیے تاکہ اس طرح عربوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے متفرق و پراگندہ رکھا جاسکے۔

اس قرارداد کے نتیجہ میں برطانیہ نے عالمی صیہونیت کے ساتھ تعاون وتحالف باہمی کے ایک معاہدے پر دستخط کیے۔ اور اس اتحاد وتحالف کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ امداد وتعاون کرنے کا عہد کیا گیا۔ اس اتحاد وتحالف کی نہ صرف بنیادیں رکھی گئیں بلکہ انہیں گہرے سے گہرا اور پختہ سے پختہ تر کرنے کا عزم بالجزم بھی کیا گیا۔ عالمی صیہونیت تو پہلے ہی فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کے لیے کوشاں تھی لہٰذا اسے ایسے تحالف وتعاون کے معاہدے میں اپنے خوابوں کی تعبیر نظر آئی اس لیے اس نے فوراً اس معاہدے پر دستخط کردیئے۔

مسلمانوں کے اندر دین کے حوالے سے شکوک وشبہات پیدا کرنا

اس مقصد کے پیشِ نظر یورپ نے دینِ اسلام کے خلاف جو محاذ کھول رکھے ہیں ان میں سے ایک نوجوان مسلمان نسل کے اندر شکوک وشبہات پیدا کر کے انہیں دین اسلام سے بدظن و برگشتہ کرناﷺ جس کا کچھ ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکاﷺ لیکن اس کے علاوہ اس نے عالمِ اسلام کے کونے کونے میں اپنے مسیحی مبشروں اور منادوں کے لیے چرچ، ہسپتال او رمشنری ادارے کھول رکھے ہیں۔ان مشنری اداروں کا مقصد عامۃ المسلمین کے قلوب واذہان میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا ہے۔رسول اللہ ﷺ کی محبت کے پاکیزہ چشموں کو گدلانے کی کوشش کرنا ہے اور قرآن پاک کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر کے مسلمانوں کو اس نسخۂ شفاء سے دور کر کے انہیں ابدی طور پر مرض اور موت کے چنگل میں مبتلا رکھنا ہے۔

اس حوالے سے چند ایک یورپی مفکرین ومبشرین کے اقتباسات پیشِ خدمت ہیں۔

العاملین المسیحیین بین المسلمین(CHRISTIAN WORKERS IN ISLAMIC WORLD) کی رپورٹ کا مرتب اس حوالے سے اپنی رائے اور نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہے:

''مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ اسلام میں وہ سب موجود ہے جو کہ عالمِ بشریت کی ہر اجتماعی وانفرادی ضرورت وحاجت کو پورا کرنے کے لیے اپنے اندر دوامی استعداد و صلاحیت رکھتا ہے۔لہٰذا مسیحی کارکنوں کا فرض ہے کہ ہم اسلام کے خلاف تمام ممکنہ فکری وروحانی طریقوں کو بروئے کار لا کر مسلمانوں کے اندر اسلام کے بارے میں

پائے جانے والے اس ایمان ویقین کو پارہ پارہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔اس پالیسی کو عالمِ اسلام میں جاری کرنے اور پھر اسے جاری رکھنے کے لئے ایسے مبشرین کی کتابیں اور دوسرا لٹریچر شائع کرتے رہنا جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ،رسول اللہ ﷺ کی رسالت وسیرت اور قرآن پاک کی محفوظیت وحافظیت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوں۔''①

اس مقصد کے پیشِ نظر یہ مبشرین ہر وقت گھات لگائے رہتے ہیں کہ جوں ہی انہیں کوئی موقعہ ملے تو وہ اسلام کے عقائد واعمال پر اعتراض وارد کریں۔اسلامی اصولوں کے بارے میں تشکیک پھیلائیں۔

❀ گذشتہ صفحات میں جس کانفرنس کا ذکر ہوا ہے اس کانفرنس میں جو قراردادیں پاس کی گئی تھیں ان میں سے ایک قرارداد اس نوعیت کا لٹریچر تیار کرنے اور پھر اسے وسیع پیمانے پر مفت وبلا قیمت عالمِ اسلامی میں پھیلانے سے متعلق تھی۔

مسیحی مبشرین ہی نے نہیں بلکہ یورپ ومغرب کے نام نہاد وغیر جانبدار ادارے بھی اسلام کے خلاف نفرت وعداوت میں مسیحی مشنری جذبے سے مالا مال ہیں۔اس حوالے سے آپ یہ سُن کر یقیناً حیران وپریشان ہو جائیں گے کہ یونیسکو نے پچھلے دنوں اپنے زیرِ اہتمام عالمِ بشریت کے ماضی یا اس کی تاریخ کے موضوع پر کئی جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم انسائیکلوپیڈیا شائع کیا ہے۔اس انسائیکلوپیڈیا کے لیے ایک بہت لمبا چوڑا ثقافتی وسائنسی مقدمہ بھی تیار کروایا ہے۔اس انسائیکلوپیڈیا کی تیسری جلد کی دسویں فصل میں ایک مقالہ نگار اسلام کے بارے میں جو گوہر افشانی کر چکا ہے وہ پیشِ خدمت ہے۔ذرا اندازہ کیجئے کہ انسانیت اور غیر جانبداریت کا دعویدار یہ بین الاقوامی ادارہ اسے کس طرح بغیر کسی تحقیق وتفتیش کے شائع کر کے پوری دنیا میں ہر جگہ اسے پھیلا چکا ہے۔

① اسلام کی تشکیل وترکیب میں یہودیت ، مسیحیت اور عرب بت پرستی نے مرکزی کردار انجام دیا ہے اور ان اجزاء وعناصر کے باہمی اشتراک سے اسلام ایک عجیب و

---

① التبشیر والاستعمار ص: ۱۹۱

غریب قسم کا ملغوبہ بن گیا ہے۔

۲ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو کہ بلاغت وفصاحت سے بالکل خالی ہے۔

۳ احادیث کو رسول اللہ ﷺ کے وصال کے صدیوں بعد اِدھر اُدھر سے اکٹھا کر کے آپؐ کے نام سے منسوب کر کے انہیں عالمِ اسلام میں پھیلایا گیا ہے۔

۴ فقہاء اسلام نے جو فقہ تیار کی ہے اس کی تیاری میں انہوں نے رومیوں، مجوسیوں، یونانیوں، اہل تورات وانجیل اور اہل کنیسہ کے ضوابط ودساتیر اور رسوم ورواجات سے دل کھول کر فائدہ اٹھایا ہے۔

۵ اسلامی معاشرہ میں عورت کی قطعاً کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔

۶ اسلام نے ذمیوں پر جزیہ اور خراج عائد کر کے ان پر نا قابلِ برداشت بوجھ ڈالا ہے۔[1]

اندازہ لگائیں کہ یہ لوگ اسلام کے بارے میں کس قدر جہالت وعداوت کے رجحانات وجذبات سے مالا مال ہیں اور کس قدر معاندانہ ارادے کے ساتھ یہ لوگ اسلام کے بارے میں خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ آپ اس امر پر بھی غور فرمائیں کہ کذب وافتراء، حسد ورقابت اور جہالت وعداوت کا یہ منصوبہ ایک ایسے بین الاقوامی ادارے کی جانب سے ہو رہا ہے جو اپنی بین الاقوامیت اور غیر جانبداریت کا اپنے گلے میں ڈھول باندھ کر دن ت ڈھنڈورا پیٹتا رہتا ہے۔

قارئین! اندازہ لگائیں کہ یہ عالمی ادارہ کس طرح ہر قسم کی شرم وحیاء اور اس کے احساس سے عاری ہو کر کس طرح اسلام، قرآن اور مسلم معاشرہ کے بارے میں کذب وافتراء سے کام لے رہا ہے۔ یقیناً یہ سب کچھ اس سیاہ اور شر انگیز حسد ورقابت ہی کا نتیجہ ہے اور یہ سب کچھ دشمنانِ اسلام کی پاس کردہ قرار دادوں اور پالیسیوں ہی کا ایک حصہ ہے۔

---

(۱) مجلة التمدن الاسلامي جلد ٤٤ ، شماره ۷ ، ص: ٥٠٨ جولائی ۱۹۷۷ء

عربوں کو کمزور اور تباہ حال بنائے رکھنا

یورپ والوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے اندر عربوں کو کلیدی مقام حاصل ہے۔لہٰذا انہوں نے صدیوں سے بڑی سوچ بچار کے بعد یہ پالیسی اختیار کر رکھی ہے کہ عربوں کو پراگندہ و منتشر رکھ کر انہیں کمزور و پامال کر دیا جائے۔

اس حوالے سے موروبرگر اپنی کتاب ''العالم العربی'' میں یوں اظہارِ خیال کرتا ہے:

''یہ بات تاریخی طور پر ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ عربوں کی قوت اسلام کی قوت کے ہم معنی و مترادف ہے لہٰذا اگر عربوں اور عرب قوت کو تباہ و برباد یا کمزور کر دیا جائے تو اس تباہی یا کمزوری سے اسلام کی تباہی یا کمزوری خود بخود پیدا ہو جائے گی۔''

عالمِ اسلامی کے اندر ڈکٹیٹرشپس قائم کرنا اور انہیں دوام دینے کے لیے ان کی مسلسل و پیہم نصرت وحمایت اور امداد و اعانت کرتے رہنا۔پاکستانی مسائل و معاملات پر مشہور محقق اور ماہر امریکی مستشرق وی،سی،سمتھ اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''اگر مسلمانوں کو عالمِ اسلام کے اندر آزادی و خودمختاری حاصل ہو جائے اور وہ بامعنی جمہوری نظام ہائے حیات وحکومت کے سایوں میں زندگی گزارنا شروع کر دیں تو اسلام جلد ہی ان ممالک کے لیے غلبہ ونصرت کا سبب بن سکتا ہے۔لہٰذا اسلامی ڈکٹیٹرشپس قائم کر کے ہی اسلام اور مسلمان اقوام کو عزت وحکومت کے مقام ومنصب پر فائز ہونے سے محروم رکھا جا سکتا ہے۔''

❀ کچھ عرصہ ہوا کہ امریکہ کے مشہور زمانہ رسالہ ٹائم کے چیف ایڈیٹر نے ایشیائی ممالک کا دورہ کیا۔اس نے اس دورہ کے دوران حاصل شدہ تجربات کو سفرِ ایشیا کے نام سے شائع کیا ہے۔اس کتاب میں وہ امریکی حکومت کو نصیحت کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہے:

''امریکہ کا فرض ہے کہ وہ عالمِ اسلامی کے ممالک میں ایسی فوجی ڈکٹیٹرشپیں قائم کرے جو کہ اُمتِ مسلمہ کے ہاں اسلامی دعوت کے راستے میں رکاوٹ بنی رہیں۔ان فوجی ڈکٹیٹرشپوں کا لازمی و منطقی نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ ان ممالکِ اسلامیہ اور بالخصوص بلادِ عربیہ پر یورپی تہذیب و تمدن اور اس کے استعمار کا غلبہ و تسلط برقرار رہے گا۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ مشورہ بھی دیتا ہے کہ فوجی ڈکٹیٹرشپوں کے مابین وقفے وقفے سے وقفہ استراحت بھی آتا رہنا چاہیے، تاکہ اندر ہی اندر جو لاوا پیدا ہو جایا کرتا ہے اس کا اخراج ہوتا رہے، کیونکہ اگر اس طرح کے اخراج کا بندو بست نہ کیا گیا تو یہ مواد کوہِ آتش فشاں کی طرح اچانک پھٹ پڑا کرے گا۔''①

❀ اس حوالے سے فرانس کے ایک سابق وزیرِ خارجہ ہانوتو کی رائے بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے۔وہ رقم طراز ہے کہ:

''عالمِ اسلام کے مقہورین (OPPRESSEDMASSES) (اس کے افراد اور اقوام ہر دو) میں ہم یورپ والوں کے لیے خطرات پوشیدہ ہیں۔اگرچہ ان پر مصائب و آلام نازل کر کے اور انہیں مشکلات و مسائل میں الجھا کر ہم نے انہیں ادھ موا کر کے سلا دیا ہے لیکن ابھی اس سب کے باوجود ان مقہورین کے عزم و ثبات اور ان کے جذبات و احساسات کے اندر ایک بڑا وافر ذخیرہ موجود ہے جو کسی وقت بھی اہلِ یورپ کے خلاف متحرک ہو سکتا ہے۔''

مسلمانوں کو صنعتی قوت و طاقت کے حصول و یافت سے ہر ممکن طریقے سے محروم رکھنا اور وسائل اور ایسی تدابیر اختیار کرنا کہ جس کے نتیجہ میں عالمِ اسلامی یورپ کی پیدا کردہ صنعتی اشیاء اور ساز و سامان کے لیے صرف صارفین کی منڈی بن کر رہ جائے یا اسے یورپ کے لیے خام مواد مہیا کرنے والے علاقوں کی حیثیت حاصل رہے۔

فرانس کی وزارتِ خارجہ کے ایک ذمہ دار آفیسر نے ۱۹۵۲ء میں یورپ والوں سے کہا تھا کہ وہ حقیقی خطرہ جو کہ ہم یورپ والوں کے سروں پر ایک ڈراؤنے بھوت کی طرح منڈلا رہا ہے جو خطرہ یورپ کے لیے براہِ راست بھی ہے اور شدید نوعیت کا بھی وہ صرف اسلام کا خطرہ

① جند الله ص: ۲۹

ہے۔اس نے اپنے اس بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا تھا کہ:

''ہمیں چاہیے کہ ہم عالمِ اسلام کو ہر وہ چیز دیں جو وہ ہم سے طلب کرے لیکن ہم اس کے اندر صنعتی وفنی پیداواری صلاحیت اور ٹیکنیکل مہارت پیدا نہ ہونے دیں، بلکہ ہمیں ایسے اہتمامات وانتظامات کرنے چاہئیں کہ جن کے نتیجے میں عالمِ اسلام میں ٹیکنیکل اور صنعتی میدان میں کوئی کشش وجاذبیت پیدا نہ ہوسکے۔اگر ہم یورپ والے اپنے اس پروگرام یا منصوبے کو نافذ نہ کرسکے اور ہم نے عالمِ اسلام کو صنعتی میدان میں محروم رکھنے کے منصوبے پر عمل درآمد کرانے کو اپنے ہاتھ سے ترک کردیا اور اس طرح یہ مقیّد جنّ اگر اپنی صنعتی، فنی اور ٹیکنیکل عاجزی وپسماندگی سے آزاد ہوگیا تو اس صورت میں پہلے عالمِ عربی کی اور پھر پورے عالمِ اسلامی کی پوشیدہ خوابیدہ طاقتیں بیدار ہوکر ہمارے لیے ایک ایسا خوفناک خطرہ بن جائیں گی کہ جو انجام کار پورے یورپ اور یورپی تہذیب وثقافت اور اس کے قائدانہ کردار اور سبھی کا خاتمہ کردے گا۔ [1]

❀ ''ایسی مسلسل وپیہم کوششیں جاری رکھنا کہ جن کے نتیجہ میں عالمِ اسلام کے اندر طاقت با اخلاص اور وفا شعار مسلم قائدین ومفکرین نہ تو منصب حکومت پر فائز ہوسکیں اور نہ ہی انہیں قوت مقتدرہ کے کسی بھی دائرے میں کوئی اثر ورسوخ یا جان پہچان حاصل ہوسکے تاکہ اس طرح وہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور بیداری میں بھی کوئی کردار انجام نہ دے سکیں۔''

اس پالیسی کی وضاحت برطانوی مستشرق منٹگمری واٹ کے اس بیان میں بہت عمدگی سے ہوئی ہے جو لنڈن ٹائم نے مارچ ۱۹۶۸ء کی ایک اشاعت میں شائع کیا تھا جس میں وہ رقمطراز ہے کہ:

''اگر عالمِ اسلامی کو کوئی ایسا قائد میسر آ گیا جو کہ اسلام کی جانب سے بہتر اور مؤثر انداز میں اس کے دفاع کے موضوع پر گفتگو کرنے کی صلاحیت وقدرت سے مالا مال ہو تو اس صورت میں دین اسلام کے لئے اس امر کا پورا پورا امکان موجود ہے کہ وہ

---

[1] جند اللہ ص: ۲۲

دوبارہ پوری دنیا میں ایک بہت بڑی سیاسی و عالمی قوت کے طور پر ظہور پذیر ہو سکے۔''①

اسی طرح اس ضمن میں آر۔ب گب کا بیان بھی قابل ملاحظہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

''اسلامی تحریکات بعض اوقات بڑی خوفناک صورت اختیار کر لیتی ہیں اور اس طرح اچانک ہمارے لیے بے انتہا ذہنی اذیت کا سبب بن جاتی ہیں۔ بعض اوقات اچانک یہ اس طرح پھٹ پڑتی ہیں کہ ان کی نگرانی کرنے والے افراد و ادارے اور محققین حیرت زدہ رہ جاتے ہیں کیونکہ انہیں ان کے پھٹ پڑنے کی کوئی ادنیٰ ترین علامت یا کوئی اشارہ کہیں دور دور تک دکھائی نہیں دیتا جو ان کے بارے میں کسی ادنیٰ ترین شک کا باعث بن سکتا۔ پس موجودہ اسلامی تحریکات میں جس چیز کی واقعی اور اصلی طور پر کمی یا فقدان ہے وہ ایک صحیح اور قابلِ اعتماد، طاقت ور اور با اخلاص قیادت کے ما سوا کچھ نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر ان کو صرف ایک صلاح الدین ایوبی کا انتظار ہے اور بس۔''②

اس سے قبل ہم اپنی اسی کتاب میں اسرائیل کے ایک سابق وزیرِ اعظم بن گوریان کا بیان مقولہ درج کر چکے ہیں کہ:

''مجھے بھی آپ (یورپ والوں) کی طرح ہر آن یہ خدشہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں عالمِ عرب میں دوبارہ کوئی نیا محمد ﷺ ظہور پذیر نہ ہو جائے۔''③

اسی طرح ہم اپنی اسی کتاب میں پرتگال کے ایک سابق ڈکٹیٹر سالازار کا یہ مقولہ بھی درج کر چکے ہیں کہ:

''میں ڈرتا ہوں کہ مسلمانوں کے اندر کل کلاں کوئی ایسا قائد نہ پیدا ہو جائے جو کہ ان کے باہمی اختلافات کا صفایا کرا کر یا انہیں بھلا کر وہ ان اختلافات کی جگہ ان

---

① الحلول المستوردة ص: ١١

② الامحاهات الحديثه فى الاسلام ص: ٣٦٥ بحوالا الاتجاهات الوطنية ج: ٢، ص: ٢٠٦

③ ہمارے اعتقاد کی رو سے رسول اللہ ﷺ کا مثیل و عدیل پوری کائنات میں کوئی ہے ہی نہیں کہ اس کی آمد کا کوئی امکان ہو۔ البتہ غلامانِ مصطفیٰ کا ظہور و بروز ممکن ہی نہیں بلکہ ہر وقت مطلوب ہے۔

اختلافات کو نہ اُبھار دے جو ہم یورپ والوں اور عالمِ اسلامی کے مسلمانوں کے مابین صدیوں سے چلے آرہے ہیں۔''

- عالمِ اسلام کی عورتوں کے اندر جنسی بے راہروی کو پھیلا کر عالمِ اسلامی کے اندر جنسی فحاشی، بداخلاق و بدعملی کو رواج دینا تاکہ اس طرح عالمِ اسلام جنسی طور پر کرپٹ ہوکر اپنے اصل مقام ومنصب پر کبھی فائز نہ ہوسکے۔

اس ضمن میں مبشرہ مس میکلیکن کا یہ بیان ہم مسلمانوں کے پڑھنے اور عبرت حاصل کرنے کے قابل ہے۔ یہ مبشرہ اس حوالے سے یوں رقمطراز ہے:

''ہم نے قاہرہ کے کلیۃ البنات میں صرف ایسی بچیوں کو اپنے ہاں تعلیم وتربیت کے لئے داخلہ دیا کہ جن کے باپ دادا اور ان کے خاندان پاشا اور بک جیسے اعزاز کے مالک تھے۔ اور میرا خیال ہے کہ غالبًا ہمارے ادارے کے ماسوا کوئی دوسرا مسیحی ادارہ ایسا نہیں ہے کہ جس نے پاشاؤں اور بکوں جیسے با اثر اور وجیہہ خاندانوں کی بہو، بیٹیوں اور بیگمات کو ہم سے زیادہ یورپی تہذیب وثقافت کے رنگ سے رنگین کیا ہو اور ان کے اندر مسیحی اثر ونفوذ پیدا کرنے کے لیے تعلیم وتربیت کے میدان میں ہم سے زیادہ تو خیر کیا ہم جیسی کوئی خدمت انجام دی ہو۔ ہمارا تجربہ ہے کہ مدارس سے بڑھ کر کوئی دوسری جگہ نہیں ہے کہ جہاں پر بیٹھ کر اسلامی تہذیب وثقافت کے قلعہ کو بہتر اور مؤثر اسلوب وانداز میں مسمار اور زمین بوس کرنے کا مسیحی فریضہ انجام دیا جا سکتا ہو۔''①

اب ذرا آپ اے قارئین باتمکین!...... ان اقوال پر خود غور کریں اور سوچیں کہ ان اقوال کی مراد اور معنویت کیا ہے؟...... گویا یورپ کا اس حوالے سے اولین مقصد یہ ہے کہ مسلمان عورت کو کسی نہ کسی طرح یورپی تہذیب وثقافت سے وابستہ وآراستہ کردیا جائے تاکہ اس طرح وہ اسلامی تہذیب وثقافت کے ہر اثر سے آزاد ہوجائے اور پھر اس کے نتیجے میں اس کی گود اور آغوش میں پروان چڑھنے اور تربیت وپرورش پانے والی نوجوان نسل اسلام کے

① التبشیر والاستعمار ص: ۸۷

حلقۂ اثر سے بالکلیہ آزاد ہو کر الحاد و دہریت کی گردیدہ ہو کر اسلام کی باغی بن جائے۔

اب ظاہر ہے کہ جب یہ مسلمان عورتیں اسلامی تہذیب و ثقافت کے اثر و نفوذ سے باہر نکل جائیں گی تو پھر ان کے خاندان ان کے بھائی بند، ماں باپ اور خاص طور پر ان کی اولاد پر ان کے جو اثرات مرتب ہوں گے کیا اس کے نتیجہ میں ان سب کے دلوں میں اسلام سے خروج اور اخراج کے لیے راستے خود بخود نہیں کھل جائیں گے اور اس سے ایسی نام نہاد مسلمان عورتیں اس معاشرہ کی تمام اقدار کو تباہ و برباد کرنے کے لیے مؤثر ترین ذریعہ ثابت نہ ہوں گی اور ان مشنری اداروں کا اس کے ماسوا اور کون سا مقصد ہے ان کو تو اسلامی ممالک میں پہلے دن سے قائم ہی اس نیت اور نصب العین کے حصول کے لیے کیا گیا ہے کہ وہ مسلم معاشرہ کو بمعہ اس کے عقائد اور اقدار کے تباہ و برباد کر دیں تاکہ اس طرح اسلام اور عالمِ اسلام پوری دنیا میں جو ثقافتی و تہذیبی کردار انجام دینے کی استعداد و صلاحیت رکھتا ہے وہ اس سے بالکلیہ محروم ہو جائیں۔

- فلسطین کے مقبوضہ مغربی کنارے سے آنے والے ایک مسلمان نے اس سلسلہ میں مجھ سے جو کچھ بیان کیا اس میں بھی مذکورہ بالا یورپی حکمتِ عملی اور منصوبہ بندی کی صاف اور واضح شہادت پائی جاتی ہے۔ اس شخص کا بیان ہے کہ:

''یہودی حکمران وہاں پر مسلمان عرب نوجوانوں کو بڑے منظّم لیکن بڑے ہی پُر امن طریقے سے یہودی نوجوان عورتوں کے ساتھ اختلاط کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ وہ ساحلِ سمندر پر ایسی تفریح گاہیں قائم کر چکے ہیں جہاں پر مسلمان نوجوانوں کو یہودی نوجوان لڑکیوں کے ساتھ ہر طرح کی تفریح اور عیاشی کرنے کے مفت مواقع فراہم کیے جاتے ہیں اور مزید برآں یہ کہ جو نوجوان ان مواقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ انہیں معاشرتی زندگی میں آگے بڑھنے کے وافر مواقع فراہم کیے جاتے ہیں تاکہ معاشرے میں ان کی عظمت و شان کی جھوٹی چمک دمک قائم ہو سکے۔ یہ نوجوان یہودی عورتیں دن دیہاڑے اور علی الاعلان کئی ایک پرائیوٹ اور پبلک مقامات پر کھڑے ہو کر عرب نوجوانوں کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت

اپنے جال میں پھانسنے کے لیے مصروف تگ و تاز دکھائی دیتی ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ جو عرب نوجوان ان عیاش یہودی عورتوں کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیتے ہیں ان کا اسرائیلی پولیس تعاقب کرتی ہے اور انہیں طرح طرح کے جھوٹے مقدمات (جیسے فدائی تحریکات کی رکنیت وغیرہ) میں مبتلا کر کے طرح طرح سے ذہنی و جسمانی عقوبت واذیّت کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ حکومتی ایجنسیاں اس مغربی ادارے میں صرف ایسی فلمیں درآمد کر کے چلانے کی اجازت دیتی ہیں جو کہ جنسی حوالے سے بگاڑ اور اخلاقی حوالے سے فساد اور اختلال پیدا کرنے والی ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ اسرائیلی حکومت سے اپنی سرپرستی کے اندر بڑے بڑے کارخانوں اور فیکٹریوں کے قرب و جوار میں جہاں پر عرب مزدور محنت و مزدوری کا کام کرتے ہیں وہ وہاں پر چکلے اور قحبہ خانے قائم کرتی ہیں جہاں پر شراب نوشی اور فاحشہ کاری کے مفت مواقع مہیا کیے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جارہا ہے تاکہ ان مسلمان نوجوانوں اور مسلمان مزدوروں کو اخلاق باختہ بنایا جائے، تاکہ اس طرح یہ مسلمان ان مزاحمتی تحریکات میں شرکت و شمولیت اختیار کرنے کے قابل نہ رہیں، جو کہ یہود کے زیرِ تسلّط علاقوں کو واگزار اور آزاد کرانے کی جدوجہد برپا کی جارہی ہیں۔''

کیا اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں یورپ کے نقطۂ نظر میں تبدیلی واقع ہو رہی ہے؟

گذشتہ چار سالوں میں یورپ میں بعض ایسے رجحانات ظاہر ہوتے ہیں جن میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں یورپ کے ہاں اعتدال اور نرم روی کے تاثرات اور ان تعلقات پر از سرِ نَو ہمدردانہ غور و فکر کرنے کے میلانات کا اظہار ہوتا ہے۔ لہٰذا ان رجحانات و میلانات کے ظہور پذیر ہونے کے بعد ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یورپ نے اپنے ماضی کے افکار و تصورات، طرزِ عمل اور پالیسیوں کے اندر آیا کوئی تبدیلی پیدا کر لی ہے یا یہ سب کچھ بھی یورپی مکر و فریب ہی کی کوئی دوسری صورت ہے؟...... لہٰذا اس سوال کا صحیح طور پر جواب دینے کے لیے ان نئے رجحانات و میلانات کا تجزیہ و تحلیل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس روشنی ہی میں ہم اس سوال کا صحیح طور پر جواب دینے کے قابل ہو سکیں گے۔ اس ضمن میں چند واقعات کا ذکر اور پھر ان پر تبصرہ کرنا مفید رہے گا۔

① گذشتہ دنوں حکومتِ فرانس نے یہ فیصلہ کیا کہ:

ا. دینِ اسلام کی تفہیم اور اسلامی موضوعات اور مسائل کی نشر و اشاعت کو ریڈیو، ٹی وی اور ابلاغ عامہ کے دیگر ذرائع میں پہلے سے زیادہ وقت دیا جائے۔

ب. فرانسیسی جیل خانوں اور شفا خانوں میں مساجد تعمیر کی جائیں۔

ج. اسلامی تہواروں (جیسے عید الفطر اور عید الاضحیٰ) پر مسلمان مزدوروں کو چھٹیاں دی جائیں۔

② اسی طرح اپریل ۱۹۷۶ء میں لنڈن میں ایک بہت بڑے اسلامی مہینے کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا اور اسی سال یہ نمائش (مہرجان العالم الاسلامی) منعقد بھی کرا دی گئی۔ اس

اسلامی نمائش یا میلے کے نگران اعلیٰ (جان پال کیلر) نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس نمائش کے انعقاد کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔اس نے ان اغراض و مقاصد کو متعین انداز میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

''بے شک آج کا یورپی انسان اپنے اندر روحانی اور ثقافتی خلاء محسوس کرتا ہے۔اسی وجہ سے وہ اکثر بے چینیوں اور کرب واضطراب کی الجھنوں میں اپنے آپ کو گرفتار محسوس کرتا ہے۔اس روحانی اور ثقافتی خلاء کو پُر کرنے کے لیے وہ مغرب سے مشرق کی جانب سفر کرتا رہتا ہے۔وہ مشرق کی جانب اس امید سے سفر کرتا ہے کہ شاید اسے اپنی نفسیاتی اور روحانی الجھنوں سے نجات پانے کا مشرق کے ہاں سے کوئی ایسا نسخہ حاصل ہو جائے کہ جس کے نتیجے میں اُسے اس کرب و اضطراب سے بھی نجات حاصل ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اُسے وہاں سے کوئی ایسی نئی تہذیب وثقافت بھی مل جائے کہ جسے اپنا کر وہ اپنے اس روحانی وثقافتی بحران سے نجات حاصل بھی کر سکے۔''

اس نمائش کے نگران اعلیٰ نے اپنے اس بیان کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہا تھا کہ:

''میرا اعتقاد ہے کہ جس عہد میں ہم رہ رہے ہیں یہ مغرب کا مشرقی تہذیب کی جانب جھکاؤ اور میلان کا دور ہے لیکن افسوس کے ساتھ مجھے کہنا پڑ رہا ہے کہ مشرقی تہذیبوں اور ثقافتوں میں سے اسلام ہی وہ دین ہے کہ جس کی جانب اب تک یورپ نے صحیح طور پر اپنی توجہ مبذول نہیں کی ہے۔ہم نے سوچا کہ کیوں نہ یورپی انسان کو ایک ایسا موقعہ فراہم کیا جائے کہ جس سے فائدہ اٹھا کر وہ اسلام کی جانب کما حقہ طور پر توجہ دے سکے۔کیونکہ میرے نزدیک اسلام ایک ایسی تہذیب وثقافت ہے کہ جس کا دامن روحانی اقدار سے مالا مال ہے۔میں نے سوچا کہ یورپی انسان کو آخر کیوں نہ مائل کیا جائے کہ وہ اسلام کے ساتھ اپنا ثقافتی وتہذیبی تعلق قائم کرے۔اب تو یہ بھی ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ خود اسلامی ممالک نے بھی پوری دنیا سے کئی حوالوں سے اپنے وجود کو منوانا شروع کر دیا ہے۔اسی مقصد کے پیشِ نظر ہم نے اس نمائش کے انعقاد کا منصوبہ بنایا ہے۔''

نگرانِ اعلیٰ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے یوں بھی کہا کہ:
''ہم مغرب والوں کا فرض ہے کہ ہم اسلام کے بارے میں اپنے ہاں پائے جانے والے اس مذہبی تعصب کو بالائے طاق رکھ دیں جو ہمارے پادریوں نے ہمارے قلوب واذہان میں صدیوں سے اسلام کے خلاف پیدا کر رکھا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس نمائش کا انعقاد اس مذہبی تعصب کو دور کرنے میں اپنا کردار مؤثر طور پر انجام دے گا۔''
نگران اعلیٰ نے مزید کہا کہ:
''اس نمائش کے انعقاد کے مقاصد تو بہت سے ہیں لیکن غالبًا ان میں سے اہم ترین مقصد یہ ہے کہ ہم برطانوی عوام کی دہلیز تک اسلامی اقدار کو پہنچانا چاہتے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری اس نمائش کے انعقاد سے جو کہ ایک لمبی مدت تین ماہ تک جاری رہے گی اسلامی اقدار وتصورات کے بارے میں بڑی مفصل بحث بھی ہوتی رہے گی اور اس سے بھر پور انداز میں اسلامی اقدار وتصورات کو پوری شرح وتفصیل کے ساتھ بیان کا ایک عمدہ موقع حاصل ہوگا اور اس طرح مسلمان علماء اور اسلامی ماہرین کو ایک نادر اور شاندار موقعہ حاصل ہوگا کہ وہ برطانوی عوام کے سامنے اسلامی تہذیب وثقافت کو بہتر سے بہتر انداز میں بیان کر کے اس کے مختلف اور متعدد پہلوؤں کو نمایاں سے نمایاں کر سکیں۔ اس طرح ہم امید کرتے ہیں کہ ہم مشرق و مغرب کے مابین ثقافتی وتہذیبی تعلق قائم کرنے کے لیے ایک شاندار، مضبوط اور مستحکم پل بنانے میں کامیاب ہوسکیں گے اور اس طرح ہماری یہ کوشش نہ صرف کامیاب ہو گی بلکہ مشرق ومغرب میں پسندیدگی کی نظر سے بھی نوازی جائے گی۔''
نگران اعلیٰ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ مزید یہ بھی کہا کہ:
''یہ نمائش مسیحی اور یہودی متعصبین کو بھی ایک بہترین موقعہ فراہم کرے گی کہ ان کے دلوں اور دماغوں میں اسلامی تہذیب وثقافت کے بارے میں جو شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں اور جنہیں ان کے مذہبی پیشوا روز بروز گہرا کرتے چلے جا رہے ہیں، ان

شکوک وشبہات کے ازالے کی بھی ایک صورت پیدا ہو جائے گی۔ اور کیا عجب کہ اس نمائش کے نتیجے میں یہ شکوک وشبہات سب کے سب نہیں تو پھر بھی ان کی غالب تعداد کا یا تو خاتمہ ہو جائے گا یا ان کے بارے میں کم از کم اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت کی جا سکے گی۔ مغربی انسان کے ذہن میں اسلام کے بارے میں جو کچھ بے بنیاد قصے بٹھا دیئے گئے ہیں، امید ہے کہ ان بے بنیاد قصوں کے ازالے یا ان کی وضاحت سے اس نمائش کے توسط سے بہت عمدہ طریقے سے ہو جائے گی۔ اس بے بنیاد قصوں میں سے ایک قصہ تعدادِ ازواج کا بھی ہے۔۔ اس مسئلے کو بھی اب تک برطانوی رائے عامہ کے سامنے اس طرح بیان نہیں کیا گیا جیسا کہ اسے بیان کیا جانا چاہیے تھا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس نمائش کے دوران ہونے والی بحث وتمحیص میں اس مسئلے کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نظر کی بہت عمدہ طریقے سے وضاحت ہو جائے گی۔''①

③ ۱۹۷۶ء ہی میں برطانیہ کے مشہور صیہونی مصنف برنارڈ ڈلوئیس نے عودۃ الاسلام کے عنوان سے اپنے حاصل مطالعہ کو بڑے شاندار طریقے سے چھپوایا اور اپنی اس کتاب میں اس نے اسلام کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کو بڑی شرح وتفصیل سے بیان کیا۔ اس مصنف نے عالمِ اسلامی میں برپا ہونے والی تحریکات کا بڑی تفصیل اور دقتِ نظر کے ساتھ تجزیہ وتحلیل کیا۔ یہ صیہونی مصنف ان تحریکات کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہے کہ:

''جو کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے اس سے چند ایک نتائج کا استنباط بڑی عمدگی سے کیا جا سکتا ہے۔

۱. گذشتہ بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اب تک اسلامی ممالک میں نہ صرف زندہ ہے بلکہ تنہا یہی وہ قوت ہے جو کہ مسلمان ممالک کی رائے عامہ کو بنانے اور ڈھالنے میں اپنی زبردست طاقت کا اظہار کرتا رہتا ہے اور اسلام ہی وہ طاقت ہے جو مسلم ممالک کی آراء یا ان کی پسند و ناپسند کو اپنے سیاسی افکار وتصورات کے رنگ سے بھی رنگین کرتا رہتا ہے۔ بلادِ اسلامیہ میں جب کبھی ایسی عوامیت پسند اور عوامی مزاج کی

---

① مجلة الاسبوع العربي شماره: ۸٦۸ / ۹ مارچ ۱۹۷٦ء

حامل حکومتیں قائم ہوتی ہیں جو عوام کو زیادہ سے زیادہ آزادیاں دینے کی خواہاں ہوتی ہیں تو ایسی حکومتوں کے عہد حکمرانی میں اسلام کی قوت و کارکردگی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہر سمجھ دار شخص اس فرق کو صاف اور واضح طور پر محسوس کرتا ہے جو بلادِ اسلامیہ کی موجودہ حکومتوں اور ان سیاسی قائدین کی حکومتوں کے مابین پایا جاتا ہے جو کہ یورپی تہذیب و ثقافت کی پروردہ تھیں اور جنھوں نے کافی حد تک عرصۂ دراز سے اسلام کو حکمرانی کے منصب سے پرے دھکیل رکھا تھا اور جن کی گذشتہ کئی ایک دہائیوں سے مسلسل حکمرانی قائم رہی ہے۔

ب. بلادِ اسلامیہ کی حکومتیں جب بھی اپنے آپ کو وہاں کے عوام الناس کے ساتھ وابستہ کرنا چاہتی ہیں اگرچہ وہ حکومتیں بائیں بازو والوں ہی کی کیوں نہ ہوں تو ایسی حکومتوں کا جھکاؤ اسلامیت کی طرف بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس دعویٰ کی شہادت کے لئے یہی امر کافی ہے کہ گذشتہ تین سالوں کے دوران ان علاقوں میں جو کہ براہِ راست اسرائیل کے ساتھ مزاحمت اور تصادم میں شریک ہیں ان علاقوں میں وہاں کی موجودہ حکومت نے جتنی مساجد تعمیر کی ہیں اتنی مسجدیں گذشتہ تیس سالوں میں بھی تعمیر نہیں کی گئی ہیں۔

ج. یہ امر بہت واضح ہے کہ بلادِ اسلامیہ میں اسلام ابھی تک بہت زیادہ طاقتور ہے حالانکہ اسے وہاں کی داخلی سیاست کے میدان میں اپنی قوت و طاقت کے اظہار کے مواقع سے بالکلیہ محروم رکھا ہوا ہے۔

د. یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام بین الاقوامی سیاست میں ایک بنیادی اور طاقتور عنصر کے طور پر ابھرنے کی بھرپور طریقے سے کوشش کر رہا ہے۔ اس حوالے سے جب ہم غور کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ تضامنِ اسلامی (SOLIDARITY iSLAMIC) کی پالیسی کو مضبوط و مستحکم کرنے اور اس کے راستے میں رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے اسے ہموار بنانے کے لیے کئی ایک جاندار قسم کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

ھ. اسی طرح تمام اسلامی ممالک کے لیے جامعہ اسلامیہ (WORLD ISLAMIC LEAGUE) کے قیام کے لیے بھی جدو جہد کی جا رہی ہے۔

اگر چہ اس حوالے سے کی جانے والی کوششیں عملی طور پر کوئی واضح پیش رفت حاصل نہیں کر سکیں۔ لیکن اس ناکامی کا اصل سبب اسلام نہیں ہے بلکہ اس ناکامی کا اصل سبب دراصل قائدین اور مفکرین کی یہ کمزوری ہے کہ وہ اپنی ان کوششوں کی اہمیت وافادیت سے وہاں کے عوام الناس اور بالخصوص تعلیم یافتہ افراد کو صحیح طور پر مطمئن نہیں کر سکے ہیں۔

و. لہٰذا اس حوالے سے عالمِ اسلامی میں ایسی قیادتوں کے ظہور پذیر ہونے کی بے پناہ گنجائش پائی جاتی ہے جو اس مقصد کے حوالے سے وہاں کے عوام کو صحیح طور پر مطمئن کر سکیں اور اس امر کے کافی دلائل اور شواہد پائے جاتے ہیں کہ ان اسلامی ممالک کے اندر ایسی قیادتوں کے لیے وہاں کے عوام کے قلوب واذہان میں ایک تمنا یا تڑپ باطنی طور پر موجود ہے اور وہ اپنے اندر ایسی قیادتوں کے ظہور کے لیے بے پناہ ذوق وشوق اور کشش وجاذبیت رکھتے ہیں اور ان عوام کے اندر ایسی قیادتوں کے ظہور کی شکل میں انہیں قبول کرنے اور ان کے لیے لبیک کہنے کی بے پناہ استعداد وصلاحیت پائی جاتی ہے۔

ز. یہ صحیح ہے کہ عالمِ اسلام میں ابھی تک ایسی عصری قیادتوں کا فقدان ہے جو اسلامی تہذیب وثقافت سے بھی پوری طرح باخبر ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی عقائد و اعمال سے بھی پوری طرح آراستہ ہوں۔ ایسی قیادتیں جو مقامی تقاضوں سے بھی مکمل طور پر باخبر ہوں اور عالمِ اسلام کے مسائل اور ان کو حل کرنے کے طریق کار کا بھی عالمی سطح پر واضح شعور رکھتی ہوں۔ ایسی قیادتوں کا یقیناً فقدان ہے جو روحِ عصر کے تقاضوں کے مطابق علم وسائنس اور تنظیم وتحریک کے شعور سے بھی آگاہ ہوں اور ان کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے والے عصری وسائل کا بھی واضح شعور او رادراک رکھتی ہوں۔ ایسی قیادتوں کے فقدان ہی نے اسلامی تحریک اور اسلام کی غالب ومتحرک اور عالمِ انسانیت کو متحرک کر دینے والی قوت کو مقامی اور عالمی سطح پر چھا جانے کے امکانات سے بڑی حد تک محروم کر رکھا ہے اور ایسی عصری اور مثقف قیادت (MODERN AND CULTURED LEADERSHIP) کے فقدان ہی نے عالمِ اسلام

کے اندر حکومت واقتدار کے حصول کے لیے اسلامی تحریکات کو ایک جاندار اور پرکشش امیدوار بننے سے روک رکھا ہے لیکن اگر ان اسلامی تحریکات کو مذکورہ بالا اوصاف کی حامل صحیح ، جاندار، باوفا اور صالح قیادتیں حاصل ہو جائیں تو بلادِ اسلامیہ کی اسلامی تحریکات وہاں کے مقامی حالات میں ایک زبردست بلکہ کسی حد تک خوفناک سیاسی طاقت کا روپ دھار سکتی ہیں۔''(۱)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح کے بیانات اور اس طرح کی ان دوسری تحریروں اور تقریروں کا آخر کیا سبب ہے؟...... کیا واقعی ان سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ یورپ نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر میں کوئی واضح اور بنیادی نوعیت کی تبدیلی پیدا کر لی ہے یا یہ بھی یورپ کے مکروفریب ہی کی ایک دوسری شکل ہے۔

جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں ہمیں تو بظاہر یہی دکھائی دیتا ہے کہ یہ یورپ کے مکروفریب ہی کی ایک دوسری شکل ہے۔ یہ ایک طلاء یا غازہ ہے کہ جسے یورپ نے اپنے مکروفریب اور بھیانک چہرے کو چھپانے کے لیے اپنے اوپر لیپ لیا ہے۔ اس کی ضرورت اسے اس لیے پیش آئی ہے کہ اب عالمِ اسلام کی سیاسی واقتصادی قوّتوں نے اپنے بھاری بھرکم وجود کو بڑی جاندار شکل وصورت میں منوانا شروع کر دیا ہے، بالخصوص وہ اقتصادی قوت جو کہ تیل اور پٹرول پیدا کرنے والی ریاستوں کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے، اس نے تو یورپی دنیا کی کمر کوئی پہلوؤں سے خمیدہ کر دیا ہے اور ان ریاستوں کے اقتصادی میدان میں نمایاں طور پر ابھرنے کی وجہ سے یورپ اپنے اندر بے پناہ بے چینی اور بے انتہا کرب واضطراب محسوس کر رہا ہے۔ اگر بین الاقوامی بنک کی یہ رپورٹ صحیح ہے کہ ۱۹۸۰ء تک تنہا سعودی عرب ہی پوری دنیا میں زیرِ گردش کرنسی کے نصف حصے کا مالک بن چکا ہوگا تو یقیناً اس طرح کی صورت احوال یورپ کے لیے بہت خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم اس نکتے پر بھی اپنی توجہ مبذول رکھیں کہ عالمِ اسلام کو جغرافیائی محلِ وقوع کے حوالے سے کس قدر زبردست اہمیت حاصل ہے اس سے بھی ہمیں اسلام کے

---

(۱) COMMENTARY-1976 PAGE 48

بارے میں یورپ کی بے چینی بہت آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے۔ دنیا کی تمام بنیادی نوعیت کی خلیجیں ہیں تو وہ بھی مسلمانوں کے پاس اور دنیا کی سب سے زیادہ سرسبز و شاداب، سستی اور زرخیز وادیاں ہیں تو وہ بھی مسلمانوں کے پاس، تمام گرم سمندر ہیں تو وہ بھی مسلمانوں کے پاس اور اسی طرح وہ تمام سمندر کہ جن میں بین الاقوامی جہاز رانی کی شاہراہیں پائی جاتی ہیں وہ بھی مسلمانوں کے پاس ہیں اور پھر دنیا کی کل آبادی کا تیسرا حصہ یہی مسلمان اقوام ہیں۔ پھر یہی مسلم اقوام ہیں جو مغربی مصنوعات کے لیے سب سے زیادہ قیمتی، آسان اور سستا خام مواد مہیّا کرتی ہیں اور یہی وہ اقوام ہیں جو اس خام مواد سے تیار ہونے والی یورپی مصنوعات کے اصلی اور سب سے بڑے خریدار ہیں۔ گویا یورپی صنعت کی رواج پذیری اور اس کی وسعت و کشاد کا تمام تر دار و مدار ان ہی مسلم اقوام پر ہے۔ یورپ کی صنعت کے لیے بنیادی خام مواد ان ہی مسلم اقوام کے پاس بہتات کے ساتھ اور ارزاں قیمت پر حیران کُن حد تک پایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تیسری دنیا کے ممالک پر مسلم اقوام اپنا بے پناہ اثر و رسوخ رکھتی ہیں۔

ان تمام چیزوں کو اگر باہم ملایا جائے تو ان سب پر اگر یکجائی کی نظر سے غور کیا جائے تو ان خطرات کا اندازہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں رہتا کہ جنہیں یورپ اسلام کے بارے میں محسوس کر رہا ہے اور جن کی وجہ سے اسے اپنے معاندانہ مؤقف اور نقطۂ نظر میں تبدیلی پیدا کرنی پڑ رہی ہے۔

جب برنارڈ لوئیس جیسا صیہونی مستشرق بڑے اطمینان کے ساتھ یورپ کو یہ یقین دہانی کراتا ہے کہ اسلام دوبارہ پوری دنیا میں ایک زبردست عالمی قوت بننے والا ہے اور عنقریب وہ ایک طاقت و رقوت کے طور پر غالب آ کر پوری دنیا پر چھا جانے والا ہے، تو دراصل وہ یورپ کو یہ کہنا چاہتا ہے کہ اے ہمارے یورپی بھائیو!...... خوابِ غفلت کو ترک کرو، بیدار ہو جاؤ، وہ دیکھو مسلمان دوبارہ قوت و طاقت کے ساتھ عزت و اقتدار کے عرش پر براجمان ہونے ہی والے ہیں۔ آؤ اس سے پہلے کہ وہ واقعی اقتدار حاصل کر لیں ہم آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک لیں اور اگر ممکن ہو تو ان کے سر پھوڑ دیں۔

لیکن پوچھنے والا ہم سے یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ ہمارے پاس اپنے اس دعوے کے لیے دلیل کیا ہے؟ تو ہمارے پاس بہت ہی واضح دلیل صومالیہ کی جنگ ہے جو بڑی حد تک بنگلہ دیش کی جنگ کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے، کیونکہ اس جنگ میں ایک طرف تو کمیونسٹ طاقتیں حبشہ والوں کو اسلحہ اور فوجی مشیر اور کرائے کے سپاہی مہیا کر رہی ہیں اور دوسری طرف مغربی طاقتیں یعنی امریکہ، فرانس، برطانیہ حتیٰ کہ مغربی جرمنی بھی حبشہ کو اپنے مالی و مادی تعاون سے فیض یاب کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان یورپی طاقتوں نے صومالیہ کو امداد دینا تو ایک طرف اسے قیمتاً اسلحہ بیچنے سے بھی صاف انکار کر دیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ صلیب پرست مسیحی حبشہ کو مصیبت سے نکالنے کے لیے کمیونسٹ اور سرمایہ دار دونوں بلاکوں نے کھلم کھلا صاف طور پر اور بڑے واضح انداز میں سازش کر رکھی ہے۔ یہ دونوں بلاک صلیب پرست مسیحی حبشہ کو ہر قیمت پر فاتح دیکھنا چاہتے ہیں، تاکہ اسلام کا نام لیوا صومالیہ ہر قیمت پر شکست خوردہ ہو کر بے دست و پا ہو جائے۔ ان دونوں بلاکوں کو اس امر میں کچھ حجاب یا ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی کہ ان کے اس طرزِ عمل سے نہ صرف حبشہ کی جارحیت میں اضافہ ہو رہا ہے بلکہ اسکے ساتھ ساتھ دو مسلمان ممالک یعنی صومالیہ اور اریٹریا کے مسلم عوام کو بھی تباہ و برباد ہونا پڑ رہا ہے۔

اس سے اس امر کی واضح دلیل ملتی ہے کہ یورپ ابھی تک وہی یورپ ہے اور اس کے اصل مؤقف، نقطۂ نظر یا رویے میں ذرا برابر بھی تبدیلی نہیں آئی ہے۔

اب رہا ان یورپی کارروائیوں کا سوال کہ جس کا ذکر پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے اور جن سے بظاہر یہ احساس ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلم اقوام کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر میں کوئی نرمی یا لچک آ گئی ہے، تو اس حوالے سے اس سوال کا جواب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ایسی تمام کوششوں یا کارروائیوں کا مقصد صرف اور صرف مسلمانوں کو فریب میں مبتلا کرنا ہے اور بس...... اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم یورپ کا صحیح معنوں میں مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح بیدار اور متحد ہو جائیں۔

یورپ ابھی تک مسلمانوں کے خون کا پیاسا ہے اور اُسے شیر مادر کی طرح پی ہی نہیں رہا

بلکہ اُسے ضائع بھی کر رہا ہے اور مسلم علاقوں میں پائے جانے والے مادی و معنوی وسائل و ذخائر اور امکانات کو ہڑپ کرنے میں پہلے ہی کی طرح آج بھی وہ بری طرح حرص و لالچ کا شکار ہے۔ مسلمانوں کے خلاف اس کے بغض و کینہ اور عداوت و عناد کی تازہ ترین مثال اس کی وہ کارروائی ہے کہ جس کے نتیجے میں ایک ہی وقت میں اور ایک ہی مسجد میں اور جادین صوبے کے ریرو ور شہر میں ایک ہزار مسلمان نمازیوں کو عین سجدہ کی حالت میں دفعتاً واحدہ تہہ تیغ کر دیا گیا۔ ان نمازیوں پر حبشہ کے صلیب پرست مسیحی غنڈوں نے روسی طرز کی مشین گنوں کے فائر کھول دیئے اور اس طرح چند منٹوں میں ان بدبختوں نے ایک ہزار بے گناہ اور معصوم نمازیوں کو بھون کر رکھ دیا۔ اس وحشت اور بربریت پر کسی یورپی ملک نے ادنیٰ ترین افسوس کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ کسی یورپی اخباری ایجنسی نے اسے شائع کرنے کی بھی جرأت یا جسارت نہیں کی۔ کیا یہ امر اس بات پر کافی طور پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ یورپ آج بھی وہی معاندِ اسلام والمسلمین یورپ ہے۔

پس اے ہمارے مسلمان بھائیو!...... ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم ان پابندیوں کو توڑ دیں اور ان زنجیروں کو کاٹ ڈالیں جو یورپ والوں نے ہمیں براہِ راست یا بالواسطہ طور پر پہنا رکھی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کی قوت و طاقت پر اپنے اعتماد کو دوبارہ بحال کریں اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر سچے ایمان و یقین کا مظاہرہ کرتے ہوئے قرآن حکیم کے پرچم تلے اکٹھے ہو کر اسلام کی اور امت مسلمہ کی سربلندی کے لئے اسلام کے راستے پر رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ کمال کو اپناتے ہوئے آگے بڑھیں، تاکہ اس طرح دوبارہ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت و سیرت کی روشنی میں مقامی اور عالمی سطح پر قوت و سیادت کے مقام و منصب پر فائز ہو سکیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دنیا جہاں کے طاغوتوں کی حاکمیت کا انکار کر کے اور اس یورپ کی حاکمیت و سیادت کے خس و خاشاک کو جلا کر راکھ کر دیں، تاکہ اس طرح نہ اللہ تعالیٰ کی خالص عبودیت اور اس کے ظلِ عاطفت میں آ جائیں۔ بلکہ ان کے ساتھ ساتھ تمام عالمِ بشریت کو بھی غیر اللہ کی عبودیت اور طاغوت سے نکال کر اللہ واحد کی عبودت کی چوکھٹ پر سجدۂ نیاز بجالانے کے قابل بنا سکیں۔

خاتمہ

ہمارے دشمن کس قدر سنگدل اور گندے ہیں وہ ہمیں قتل کرتے ہیں، ہماری لاشوں کو پارہ پارہ کرتے ہیں اور انہیں پیستے اور قیمہ کر کے کتوں کے سامنے ڈالتے ہیں لیکن اس سب کے باوجود وہ ہم سے توقع کرتے ہیں کہ ہم ان سے پیار کریں۔ انہیں اپنا محسن اور معلم مانیں، اگر ہم ان کے ظلم واستحصال کی وجہ سے ان سے نفرت کرتے ہیں تو وہ ہمیں تنگ نظری اور کمینگی کا طعنہ دیتے ہیں۔ کیا یہ ان کے کمینے پن کی دلیل نہیں۔

وہ دیکھو!...... صلاح الدین ایوبی ؒ نے بیت المقدس کو مسیحی محاربین سے آزاد کرالیا ہے۔ یہ وہ مسیحی ہیں کہ جنہوں نے جب بیت المقدس فتح کیا تھا تو مسلمانوں کے معصوم بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو تہہ تیغ کر دیا تھا۔ مسلمانوں کے گھر اور جائیدادیں جلا دیں تھیں اور اہل ایمان مسلمانوں کو بُرے سے بُرے طریقے سے انہوں نے ذبح کر ڈالا تھا۔ صلاح الدین ایوبی ؒ نے مسیحیوں سے کوئی انتقام نہ لیا۔ اس نے ان کے قیدیوں تک کو رہا کر دیا اور محاربین کو آزاد کر کے باعزت طریقے سے سفر کا سامان اور زادِراہ دے کر اُن کو ان کے وطنوں کی طرف روانہ ہونے کا پروانہ عطا فرما دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ آج یورپ اُمتِ اسلامیہ اور ہم سب مسلمانوں پر جس طرح ظلم ڈھا رہا ہے ، ہم مسلمانوں کو جس طرح وہ کند چھریوں سے ذبح کر رہا ہے، ہمارے خلاف جس طرح وہ دحشت و بربریت کا مظاہرہ کر رہا ہے کیا اس وحشیانہ طرزِ عمل کے نتیجے میں ہمارے اندر حسد وانتقام کے جذبات کی جگہ یورپ کے لیے پیار اور احترام کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں؟......

① کل کو جب ہمیں دوبارہ نصرت وغلبہ حاصل ہوگا (جو ہمیں لازماً حاصل ہو کر رہے گا۔ (ان شاء اللہ) تو کیا ہمارے اندر یورپ پر رحم کا کوئی جذبہ یا داعیہ باقی رہ چکا ہوگا؟ کیا ہمارا دشمن یورپ ہمیں مجبور نہیں کر رہا کہ کل کو ہم اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں جو آج ہمارے ساتھ کر رہا ہے یعنی قتل کے بدلے قتل، خون کے بدلے خون اور ذبح کے بدلے ذبح؟...... کیا یورپ یہی چاہتا ہے؟

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا کرنے کی بھی اجازت دی ہے لیکن اس کے ساتھ اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

((مَنْ عَفٰی وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ)) لہٰذا اس آخری حکم الٰہی کے پیشِ نظر اور اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہم اس روز بھی یورپ والوں سے یہی کہیں گے جاؤ اے یورپ والو!...... تم آزاد ہو، امت اسلامیہ کی عدالت کے زیرِ سایہ جہاں چاہو امن وامان سے رہو۔ اس امت اسلامیہ کی عدالت، رحمت و ربوبیت کے سایوں تلے جس کی عدل پروریوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

حمد وثناء کا حق دار اللہ رب العالمین ہے اور صلوٰۃ وسلام، اللہ کے محبوب نبی مختار محمد ﷺ کے لیے ہے اور آپ ؐ کی آل اطہار اور آپ ؐ کے اصحابِ اخیار بھی اس میں شامل ہیں اور اس رحمت میں وہ سب بھی شریک ہیں جو کہ اسلام کی ٹھہرائی ہوئی راہِ جہاد پر قیامت تک کے لیے چلتے رہیں گے۔ اللہ ہمارا نگہبان رہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM





اسلام اور مسلمانوں کے خلاف

یورپی سازشیں

شروع اسلام سے لے کر آج تک کوئی ایسا دور نہیں آیا کہ جب یہودیوں اور صلیبیوں کی سازشیں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف جاری نہ رہی ہوں۔ ان سازشوں کے نتیجے میں مسلمانوں کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ جغرافیے بدل گئے' لیڈر و قائد شہید کر دیئے گئے۔ سوچ و فکر کے دھارے تبدیل ہو گئے اور مسلمان اکثر ممالک میں جسمانی اور فکری طور پر غلام بن کر رہ گئے۔ اب ان کا کوئی فیصلہ' کوئی قومی یا سطحی معاملہ اپنے اختیار میں نہیں رہا بلکہ وہ اپنے نہایت اہم اور نازک مسائل کے حل کے وقت بھی یہود و نصاریٰ کے منہ کی طرف دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھ کیا اشارہ کرتی ہے۔ مذکورہ کتاب میں امت مسلمہ کو جھنجھوڑنے اور ہوش میں لانے کے لیے صرف دور جدید میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کی طرف سے برپا کی جانے والی سازشیں منظر عام پر لائی گئی ہیں۔ ان سازشوں کی تفصیلات پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور موجودہ رونما ہونے والی زمینی و جغرافیائی اور فکری تبدیلیوں کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ آج بھی عالم کفر عالم اسلام کو تباہ و برباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اس نے قرآن پاک کو دنیا سے نابود کرنے' مکہ مکرمہ مدینہ منورہ کے وجود کو مٹانے کے لیے کیا کیا سازشیں کیں' عالم عرب کے متعلق' فلسطین اور پھر پاکستان کے خلاف کیا کیا سازشیں کیں اور کر رہا ہے۔ اسی طرح اس نے ترکی سے خلافت ختم کر کے مسلمانوں کے شیرازہ کو بکھیرنے کے لیے کیا کیا سازشوں کے جال بنے۔ اور اس طرح کے کئی موضوعات جو اسلام اور مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں' کے خلاف عالم کفر کی بپا ہونے والی سازشوں سے آگاہی کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ کتاب میں اس قدر سنسنی خیز معلومات ہیں کہ پڑھنے والے کی حیرت سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ امت مسلمہ اور اسلام کے درد رکھنے والے ہر فرد کو اس کتاب کا مطالعہ پہلی فرصت میں کر کے ان سازشوں کے تدارک کی مقدور بھر کوشش کرنی چاہیے۔

محمد طاہر نقاش

DARULIBLAGH

دارالابلاغ

کتاب و سنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ